اولاد کی تربیت

کے

اسلامی اصول

مؤلف

پیر و مرشد حضرت مولانا محمد علاء الدین صاحب قاسمی مدظلہ العالی

خلیفہ و مجاز بیعت

حبیب الامت حضرت مولانا حکیم ادریس حبان رحیمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

خانقاہ اشرفیہ و مکتبہ رحمت عالم رحمانی چوک پالی گھنشیام پور ضلع دربھنگہ بہار

اولاد کی تربیت کے اسلامی اصول

(مؤلف)

حضرت مولانا محمد علاء الدین صاحب قاسمی مدظلہ العالی

(خلیفہ ومجاز)

حبیب الامت حضرت مولانا حکیم ادریس حبان رحیمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ ومجاز: حاذق الامت حضرت مولانا ذکی الدین صاحب پرنامبٹی رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ ومجاز: مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ ومجاز: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر: خانقاہ اشرفیہ ومکتبہ رحمت عالم رحمانی چوک پالی گھنشیام پور ضلع دربھنگہ (بہار)

مخلص اور طالب حق کو طباعت کی اجازت ہے

نام کتاب ــــــــــــ اولاد کی تربیت کے اسلامی اصول

مؤلف ــــــــــــ حضرت مولانا محمد علاء الدین صاحب قاسمی مدظلہ العالی

کمپیوٹر و کتابت ــــــــــــ عبد اللہ علاء الدین قاسمی

صفحات ــــــــــــ ۱۱۳

تعداد ــــــــــــ

ملنے کے پتے

☆ خانقاہ اشرفیہ و مکتبہ رحمت عالم رحمانی چوک پالی گھنشیام پور ضلع دربھنگہ (بہار)

☆ قاری عبد العلام صاحب نزد مدینہ مسجد پورانی سیماپوری (نئی دہلی)

☆ حضرت مولانا ریاض صاحب قاسمی پورانی سیماپوری (نئی دہلی)

☆ قاری مطیع الرحمان صاحب نزد مدینہ مسجد اتوار بازار اگرنگر مبارک پور (نئی دہلی)

☆ قاری عبد الجبار صاحب، کلکتہ، (ویسٹ بنگال)

CONTACT US

KHANQUAH E ASHRAFIA

Maktaba Rahmat E Alam Rahmani Chowk Pali

Ghanshyampur,Dist Darbahnga,Bihar

Quari Abdul Allam:7858876141,Md Nasim 8527986819
Mauna Riyaz S: 7503224827,Abduulah:7654132008
Quari Mutiur Rahman:8882919635,Quari Abdul Jabbar
9674661519,Email: Abdullahdbg1994@gmail.com

فہرست مضامین

عناوین صفحات

پیش گفتار۔ ۶
چھوٹی عمر سے ہی اولاد کی ظاہری و باطنی تربیت آپ پر لازم ہے۔ ۹
بچہ کی تربیت کا ایک طریقہ اچھے کام پر اس کی ہمت افزائی بھی ہے۔ ۱۲
بالغ ہونے سے پہلے اور بالغ ہونے کے بعد بچوں کی غلطی پر تنبیہ اور اصلاح کا طریقہ۔ ... ۱۲
ہدایت کیلئے بچوں کو ڈانٹنے اور مارنے کی حد ہے جس کو حکمت سے اپنائے۔ ۱۵
لڑکوں کو لڑکیوں پر ترجیح دینا گناہ اور جاہلانہ رسم ہے۔ ۱۵
اولاد کے درمیان برابری اور عدل کریں ورنہ آپ کا گھر جہنم بن جائے گا۔ ۱۶
بچوں کی تربیت کے حوالہ سے اللہ تعالیٰ سے اس طرح دعا کریں۔ ۱۷
بچہ یا بچی کی پیدائش پر کان میں اذان دینے کی حکمت۔ ۱۸
جب بچہ سات سال کا ہو جائے تو اس کو اس طرح نصیحت کرنا شروع کریں۔ ۱۹
بچوں کو عمدہ سے عمدہ ادب اور تہذیب سکھائیں۔ ۲۰
اپنے بچوں کی عزت کریں اور ان کے ساتھ مل کر کھانا کھائیں۔ ۲۱
بچوں کی تربیت کیلئے لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو جو نصیحت کی تھی اس پر عمل کیجئے۔ ۲۲
اے بچو! نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان نصیحتوں کو ضرور اپناؤ۔ ۳۱
بچوں کی تربیت ایسے کریں۔ ۳۴
صحیح تربیت کر دینا کروڑوں کی ملکیت سے بہتر ہے۔ ۳۵
بچوں کی اسلامی تربیت: ایسے کیجئے۔ ۳۶

بچوں کو سچ بولنے کی تربیت دیں۔ ۳۸
بڑا جھوٹ سے بچے گا تو چھوٹا بھی بچے گا اسلئے بچوں سے جھوٹ نہ بولیں۔ ۴۰
اچھی تربیت کیلئے بچوں کو نرم مزاج بنائیں تاکہ اچھی اور خوبصورت نسل کو فروغ ہو۔ ۴۲
بچوں پر شفقت اور مہربانی سے ان کے اندر خوبیاں پیدا ہوں گی اور برائیاں دور ہونگی۔ ۴۷
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں کے ذریعہ بچوں کی تربیت کیلئے اس کو بہادری
اور جرأت کا سبق سکھائیں۔ ۵۳
بچوں کو عیش پسندی کا عادی نہ بنائیں ورنہ وہ معاشرے کا فضول حصہ بن جائیں گے۔ ۵۵
بچوں کو مخلصانہ محبت کی تعلیم دیں وہ سب کے محبوب ہو جائیں گے۔ ۵۷
اولاد کی تربیت: چند اہم گوشے۔ ۶۰
بچوں کی تربیت کا آغاز کس وقت سے ہوتا ہے۔ ۶۱
بچوں کی تربیت کیلئے اعلیٰ تدابیر اختیار کریں۔ ۶۵
تربیت کی ذمہ داری والد پر بھی ہے۔ ۶۷
تربیت کا عمل کب تک؟۔ ۷۰
سرپرست والدین اور استاد کی ذمّہ داری اور فرائض۔ ۷۲
بچوں کی تعلیم وتربیت کیلئے ان بنیادی اُصول کا ضرور لحاظ کریں۔ ۷۳
بچوں کو شرک وکفر غلط حرکات اور محرّمات سے بچنے کی بھی تاکید کریں۔ ۷۵
غیر اسلامی لباس سے بچے اور بچیوں کو دور رکھیں ورنہ بد دین ہو جائیں گے۔ ۷۷
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بتائے ہوئے اخلاق وآداب اور نیک عادات کا بچوں کو پابند بنائیں۔ ۸۰
بچوں کی تربیت کیلئے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
کے ذیل کے ہدایات کو ضرور اپنائیں۔ ۸۲
بچوں کی پرورش میں مصیبتیں جھیلنے اور دُودھ پلانے پر فضیلت وثواب۔ ۸۶

عورت کے ایامِ حمل کا ثواب اور حمل ساقط ہوجانے اور زچہ بچہ کے مرجانے کی فضیلت و اجر کا بیان۔ ۸۶

اللہ نے بچوں کی محبت ماں باپ کے دلوں میں کیوں پیدا کی۔ ۸۷

اَولاد سے نام نہیں چلا کرتا بلکہ اللہ کی فرمانبرداری سے نام چلتا ہے۔ ۸۹

اولاد کا ہونا بھی نعمت اور نہ ہونا بھی نعمت ہے۔ ۹۰

جن کی صرف لڑکیاں ہی لڑکیاں ہوں اُن کی تسلی کے لیے ضروری مضمون۔ ۹۱

جو بچہ مرجائے اس میں بھی اللہ کی بڑی حکمت ہوتی ہے۔ ۹۲

چھوٹے بچوں کی موت ہوجانے کے فوائد اور اُس کی حکمتیں۔ ۹۳

ایک اللہ والے کی حکایت۔ ۹۵

بچوں کے مرنے پر مغفرت اور جنت میں محل کا وعدہ۔ ۹۶

بچے اور بچیوں کے نام اچھے رکھئے اور کسی عالم سے پوچھ کر رکھئے۔ ۹۶

سحر، ساحرین، جنات اور شیاطین سے نجات کا مجرب نسخہ۔ ۱۰۱

شجرہ : سلسلۂ چشتیہ منظومہ: حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی۔ ۱۰۳

معمولات۔ ۱۰۶

....

بیعت سے آدمی پاک صاف ہوجاتا ہے۔ ۱۱۳



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیشِ گفتار

اولاد کی تربیت واصلاح کا فریضہ بہت ہی اہمیت کا حامل ہے، کسی بھی قوم کے نونہالوں اور بچوں کی متواتر تعلیم وتربیت اور تہذیب اخلاق، نہایت لازم اور ضروری ہے، کیونکہ بچے اور بچیاں دورِ کم سنی اور والدین کے گہوارۂ پرورش وپرداخت میں ہی پھلتے اور پھولتے ہیں۔

تاریخ شاہد ہے کہ جن ماؤں اور والدین نے اپنے بچوں کی صحیح تعلیم وتربیت کا مکمل نظم وانتظام کیا، ان کے بچے مستقبل کے مثالی اور آئیڈیل افراد میں شمار کئے گئے، خود بھی چراغ انسانیت بنے اور خاندان وسماج کیلئے بھی باعث راحت وعبرت بنے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی تلخ حقیقت ہے کہ جن ماؤں اور بزرگوں نے اپنے بچوں کی اصلاح وتربیت میں غفلت وبے اعتنائی سے کام لیا، ان کے بچے اور بچیاں حالاتِ زمانہ کے دھارے میں بہہ گئے اور جہالت وضلالت ان کے مقدر بن گئی۔

ناظرین کرام!

آپ کے بچے آپ کے باعزت، پرسکون اور راحت بھرے مستقبل کا اہم ترین وسیلۂ حیات ہیں، اسلئے ان کے کامیاب اور روشن مستقبل کیلئے ہر ممکن سے ممکن اور مفید سے مفید تر اقدامات، ہدایات اور توجہات کے ساتھ فکر مند اور کوشاں رہیں، تاہم

ضرورت اس بات کی ہے کہ پہلے آپ اپنی زندگی کے تعلیمی وتربیتی پہلوؤں کو بھی ٹھیک کرلیں، پھر سراپا شوق و پر خلوص اور مسلسل مجاہدے کے راستے ان کو راہِ راست اور طریق حق سے واقف کرانے کی عملی مشق کرائیں۔

انسان کی زندگی کا سب سے بڑا سرمایہ اس کی اولاد ہوتی ہے، ہر انسان چاہتا ہے کہ اس کا بچہ شریف، نیک خو اور عظیم مراتب کا حامل ہوجائے۔ مگر اس تمنائے خام کی مکمل یافت اسی وقت ممکن ہے جب صدقِ دل اور جذبۂ دروں کے ذریعہ بچوں کی تربیت وہدایت کیلئے عملی اقدامات کئے جائیں۔

زیرِ نظر کتاب ""اولاد کی تربیت کے اسلامی اصول"" کے عنوان پر برسوں سے چند سطور رقم کرنے کی تمنا تھی، الحمدللہ آج بفضلہٖ تعالیٰ اُس کی تکمیل کے آثار ظاہر ہوتے دکھائی دے رہے ہیں، یہ موضوع نہایت ہی حساس ہے اس پر پوری پوری توجہ صرف کرنے کی ضرورت تھی، جہاں تک مجھ سے ممکن ہوسکا اور میرے بس میں تھا میں نے بچے اور بچیوں کی ہدایت وکامیابی اور صحیح رہنمائی کیلئے احادیث اور اقوال سلف سے خاص خاص ہدایات منتخب کرکے آپ حضرات کی خدمت میں پیش کردئے ہیں، اللہ کی ذات سے قوی امید ہے کہ اگر آپ نے تربیت اطفال اور اصلاح اولاد کیلئے ان بنیادی اصولوں اور دستور ہائے حیات کو پوری دلجمعی ودلسوزی کے ساتھ اختیار کرلیا تو مستقبل قریب میں ضرور آپ کے بچے آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ثابت ہوں گے اور ان شاء اللہ تاحیات ان کی خوبصورت اور باکردار وروشن زندگی سے آپ کے ایوان حیات میں مسرتوں کی شمع فروزاں اور راحت ورحمت کا چمن شاداب وسدابہار رہے گا۔ اسلئے ہر مسلمان کو چاہیئے کی اس قیمتی تحفہ کو اپنے گھر میں رکھے۔

اللہ تعالیٰ ہر مومن کو اپنے بچوں کو ہدایت وسرفرازی اور ارتقا وسربلندی کے اونچے اونچے منازل طے کرانے کیلئے اس کتاب میں درج کئے گئے راہنما اصولوں سے مستفید ومستفیض ہونے کی توفیق عطا فرمائے ،اور مؤلف وکاتب اور معاونین کو جزائے خیر عطا فرما کر ذریعۂ نجات بنائے ،آمین۔

(حضرت مولانا) محمد علاء الدین صاحب قاسمی
خانقاہ اشرفیہ ومکتبہ رحمت عالم رحمانی چوک پالی گھنشیام پور ضلع دربھنگہ (بہار)
۳۰/شوال المکرم، ۱۴۴۴ھ
مطابق ۲۲، مئی بروز دوشنبہ ۲۰۲۳ء



چھوٹی عمر سے ہی اولاد کی ظاہری و باطنی تربیت آپ پر لازم ہے

بچے مستقبل میں قوم کے معمار ہوتے ہیں، اگر اُنھیں صحیح تربیت دی جائے تو اس کا مطلب ہے ایک اچھے اور مضبوط معاشرے کے لیے ایک صحیح بنیاد ڈال دی گئی۔ بچوں کی اچھی تربیت سے ایک مثالی معاشرہ وجود میں آتا ہے؛ اس لیے کہ ایک اچھا پودا ہی مستقبل میں تناور درخت بن سکتا ہے۔

بچپن کی تربیت نقش علی الحجر کی طرح ہوتی ہے، بچپن میں ہی اگر بچہ کی صحیح دینی واخلاقی تربیت اور اصلاح کی جائے تو بڑے ہونے کے بعد بھی وہ ان پر عمل پیرا رہے گا۔ اس کے برخلاف اگر درست طریقہ سے ان کی تربیت نہ کی گئی تو بلوغت کے بعد ان سے بھلائی کی زیادہ توقع نہیں کی جاسکتی، نیز بلوغت کے بعد وہ جن برے اخلاق واعمال کا مرتکب ہوگا، اس کے ذمہ دار اور قصوروار والدین ہی ہوں گے، جنہوں نے ابتدا سے ہی ان کی صحیح رہنمائی نہیں کی۔ نیز! اولاد کی اچھی اور دینی تربیت دنیا میں والدین کے لیے نیک نامی کا باعث اور آخرت میں کامیابی کا سبب ہے؛ جب کہ نافرمان و بے تربیت اولاد دنیا میں بھی والدین کے لیے وبالِ جان ہوگی اور آخرت میں بھی رسوائی کا سبب بنے گی۔

لفظِ "تربیت" ایک وسیع مفہوم رکھنے والا لفظ ہے، اس لفظ کے تحت افراد کی تربیت، خاندان کی تربیت، معاشرہ اور سوسائٹی کی تربیت، پھر ان قسموں میں بہت سی ذیلی اقسام داخل ہیں۔ ان سب اقسام کی تربیت کا اصل مقصد وغرض عمدہ، پاکیزہ، بااخلاق اور باکردار معاشرہ کا قیام ہے۔ تربیتِ اولاد بھی اُنھیں اقسام میں سے ایک اہم قسم ہے۔

آسان الفاظ میں "تربیت" کی تعریف یوں کی جاسکتی ہے کہ: "برے اخلاق و عادات اور غلط ماحول کو اچھے اخلاق و عادات اور ایک صالح، پاکیزہ ماحول سے تبدیل کرنے کا نام "تربیت" ہے۔

تربیت کی دو قسمیں

تربیت دو قسم کی ہوتی ہے: (۱) ظاہری تربیت، (۲) باطنی تربیت۔

ظاہری اعتبار سے تربیت میں اولاد کی ظاہری وضع قطع، لباس، کھانے، پینے، نشست و برخاست، میل جول، اس کے دوست واحباب اور تعلقات و مشاغل کو نظر میں رکھنا، اس کے تعلیمی کوائف کی جانکاری اور بلوغت کے بعد ان کے ذرائع معاش کی نگرانی وغیرہ امور شامل ہیں، یہ تمام امور اولاد کی ظاہری تربیت میں داخل ہیں۔ اور باطنی تربیت سے مراد اُن کے عقیدہ اور اخلاق کی اصلاح و درستگی ہے۔

اولاد کی ظاہری اور باطنی دونوں قسم کی تربیت والدین کے ذمہ فرض ہے۔ ماں باپ کے دل میں اپنی اولاد کے لیے بے حد رحمت و شفقت کا فطری جذبہ اور احساس پایا جاتا ہے۔ یہی پدری و مادری فطری جذبات و احساسات ہی ہیں جو بچوں کی دیکھ بھال، تربیت اور اُن کی ضروریات کی کفالت پر اُنھیں اُبھارتے ہیں۔ ماں باپ کے دل میں یہ جذبات راسخ ہوں اور ساتھ ساتھ اپنی دینی ذمہ داریوں کا بھی احساس ہو تو وہ اپنے فرائض اور ذمہ داریاں احسن طریقہ سے اخلاص کے ساتھ پوری کرسکتے ہیں۔

قرآن مجید اور احادیث نبویہ میں اولاد کی تربیت کے بارے میں واضح ارشادات موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُوْا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ۔(التحریم:۶)

ترجمہ:"اپنے آپ کو اور اپنی اولاد کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں"۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر وتشریح میں فرمایا کہ:

علموهم وأدِّبوهم۔

ترجمہ:"ان (اپنی ولاد) کو تعلیم دو اور ان کو ادب سکھاؤ"۔

فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ ہر شخص پر فرض ہے کہ اپنے بیوی بچوں کو فرائض شرعیہ اور حلال وحرام کے احکام کی تعلیم دے اور اس پر عمل کرانے کے لیے کوشش کرے۔

اولاد کی تربیت کی اہمیت کا اندازہ ان احادیث سے بھی ہوتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

۱۔مَانَحَلَ والدٌ أفضلَ مِنْ أدبٍ حسنٍ۔(بخاری، جلد:۱،ص:۴۲۲)

ترجمہ:"کوئی باپ اپنی اولاد کو اس سے بہتر عطیہ نہیں دے سکتا کہ اس کو اچھے آداب سکھادے"۔

یعنی اچھی تربیت کرنا اور اچھے آداب سکھانا اولاد کے لیے سب سے بہترین عطیہ ہے۔

۲۔عن ابن عباس قالوا: يارسول الله! قد علمنا ما حق الوالد فماحق الولد؟ قال: أن يحسن اسمه ويحسن أدبه۔(سنن بیہقی)

ترجمہ:"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! والدین کے حقوق تو ہم نے جان لیے، اولاد کے کیا حقوق ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ یہ ہے کہ اس کا نام اچھا رکھے اور اس کی اچھی تربیت کرے"۔

۳۔ یہ بہت بڑا گناہ ہے کہ انسان جن کا ذمہ دار ورکھوالا ہے، اُنھیں ضائع کر دے، ان کی تربیت نہ کرے"۔

یہ بھی ضائع کرنا ہے کہ بچوں کو یونہی چھوڑ دینا کہ وہ بھٹکتے پھریں، صحیح راستہ سے ہٹ جائیں، ان کے عقائد واخلاق برباد ہو جائیں۔ نیز اسلام کی نظر میں ناواقفیت کوئی عذر نہیں ہے، بچوں کی تربیت کے سلسلہ میں جن امور کا جاننا ضروری ہے، اُس میں کوتاہی کرنا قیامت کی باز پرس سے نہیں بچا سکتا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

"اپنی اولاد کو ادب سکھلاؤ، قیامت والے دن تم سے تمہاری اولاد کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ تم نے اسے کیا ادب سکھلایا؟ اور کس علم کی تعلیم دی؟" (شعب الایمان للبیہقی)

بچہ کی تربیت کا ایک طریقہ اچھے کام پر اس کی ہمت افزائی بھی ہے

بچہ نرم گیلی مٹی کی طرح ہوتا ہے، ہم اس سے جس طرح پیش آئیں گے، اس کی شکل ویسی ہی بن جائے گی۔ بچہ اگر کوئی اچھا کام کرے تو اس کی حوصلہ افزائی کے لیے اس کی تعریف سے دریغ نہیں کرنا چاہیے اور اس پر اُسے شاباش اور کوئی ایسا تحفہ وغیرہ دینا چاہیے جس سے بچہ خوش ہو جائے اور آئندہ بھی اچھے کام کا جذبہ اور شوق اس کے دل میں پیدا ہو جائے۔

بالغ ہونے سے پہلے اور بالغ ہونے کے بعد بچوں کی غلطی پر تنبیہ اور اصلاح کا طریقہ

بچوں کو کسی غلط کام پر بار بار اور مسلسل ٹوکنا اُن کی طبیعت میں غلط چیز راسخ ہونے سے

حفاظت کا سبب بنتا ہے، جس سے اگر غفلت نہ برتی گئی تو اس میں شک نہیں کہ بچوں اور بچیوں میں غلط افکار جڑ پکڑنے سے پہلے کامل طریقہ سے ان کی بیخ کنی ہوگی۔ بچے سے خطا ہو جانا کوئی اچھنبے کی بات نہیں ہے، غلطی تو بڑوں سے بھی ہو جاتی ہے۔ ماحول کا بچوں پر اثر ہوتا ہے، ممکن ہے کہ غلط ماحول کی وجہ سے بچہ کوئی غلطی کر بیٹھے، تو اس صورت حال کو بھی مدنظر رکھنا چاہیے کہ بچے سے غلطی کس سبب سے ہوئی؟ اسی اعتبار سے اسے سمجھایا جائے۔ تربیت میں میانہ روی اور اعتدال کا راستہ اختیار کرنا چاہیے، مربی کو اس بات سے باخبر ہونا چاہیے کہ اس وقت بچہ کے لیے نصیحت کارگر ہے یا سزا؟ تو جہاں جس قدر سختی اور نرمی کی ضرورت ہو اسی قدر کی جائے۔ بہت زیادہ سختی اور بہت زیادہ نرمی بھی بعض اوقات بگاڑ کا سبب بنتی ہے۔

تربیت میں تدریجی انداز اختیار کرنا چاہیے؛ چنانچہ غلطی پر تنبیہ کی ترتیب یوں ہونی چاہئے۔

۱۔ سمجھانا۔

۲۔ ڈانٹ ڈپٹ کرنا۔

۳۔ مار کے علاوہ کوئی سزا دینا۔

۴۔ مارنا۔

۵۔ قطع تعلق کرنا۔ یعنی غلطی ہو جانے پر بچوں کی تربیت حکمت کے ساتھ کی جائے، اگر پہلی مرتبہ غلطی ہو تو اولاً اُسے اشاروں اور کنایوں سے سمجھایا جائے، صراحۃً برائی کا ذکر کرنا ضروری نہیں۔ اگر بچہ بار بار ایک ہی غلطی کرتا ہے تو اس کے دل میں یہ بات بٹھائیں کہ اگر دوبارہ ایسا کیا تو اس کے ساتھ سختی برتی جائے گی، اس وقت بھی ڈانٹ ڈپٹ کی ضرورت نہیں ہے، نصیحت اور پیار سے اُسے غلطی کا احساس دلایا جائے۔

پیار و محبت سے بچوں کی تربیت و اصلاح کا ایک واقعہ حضرت عمر بن ابی سلمہ سے منقول

ہے،فرماتے ہیں کہ میں بچپن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر تربیت اور زیر کفالت تھا،میرا ہاتھ کھانے کے برتن میں اِدھر اُدھر گھوم رہا تھا، یہ دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا:"یا غلامُ سَمِّ الله! وکل بیمینک وکل ممایلیک" اے لڑکے! اللہ کا نام لے کر کھانا شروع کرو اور دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنی طرف سے کھاؤ۔"

اگر نصیحت اور آرام سے سمجھانے کے بعد بھی بچہ غلطی کرے تو اُسے تنہائی میں ڈانٹا جائے اور اس کام کی برائی بتائی جائے اور آئندہ ایسا نہ کرنے کو کہا جائے۔ پھر بھی اگر باز نہ آئے تو تھوڑی پٹائی بھی کی جاسکتی ہے۔تربیت کے یہ طریقے نوعمر بچوں کے لیے ہیں؛لیکن بلوغت کے بعد تربیت کے طریقے مختلف ہیں، اگر اس وقت نصیحت سے نہ سمجھے تو جب تک وہ اپنی برائی سے باز نہ آئے اس سے قطع تعلق بھی کیا جاسکتا ہے، جو شرعاً درست ہے اور کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے ثابت ہے۔حضرت عبداللہ بن مغفلؓ کے ایک رشتہ دار تھے جو ابھی بالغ نہ ہوئے تھے، انھوں نے کنکر پھینکا تو حضرت عبداللہؓ نے منع کیا اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکر مارنے سے منع فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ:"إنّها لاتصید صیدًا" اس سے کوئی جانور شکار نہیں ہوسکتا، اس نے پھر کنکر پھینکا تو انھوں نے غصہ سے فرمایا کہ میں تمھیں بتلا رہا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے اور تم پھر دوبارہ ایسا ہی کر رہے ہو؟ میں تم سے ہرگز بات نہیں کروں گا۔اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بھی اپنے بیٹے سے ایک موقع سے قطع تعلق کیا تھا اور مرتے دم تک اس سے بات نہ کی۔

ہدایت کیلئے بچوں کو ڈانٹنے اور مارنے کی حد ہے جس کو حکمت سے اپنائے

بچوں کی تربیت کے لئے ماں باپ یا استاد کا اُنھیں تھوڑا بہت، ہلکا پھلکا مارنا نہ صرف یہ کہ جائز ہے؛ بلکہ بعض اوقات ضروری ہوجاتا ہے۔اس معاملہ میں افراط وتفریط کا شکار نہیں ہونا چاہئے۔غصہ میں بے قابو ہوجانا اور حد سے زیادہ مارنا یا بچوں کے مارنے ہی کو غلط سمجھنا دونوں باتیں غلط ہیں۔ پہلی صورت میں افراط ہے اور دوسری میں تفریط ہے۔اعتدال کا راستہ وہ ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں بیان فرمایا کہ "اپنے بچوں کو نماز کا حکم دو؛ جب کہ وہ سات سال کے ہوجائیں اور ان کو نماز نہ پڑھنے پر مارو؛ جب کہ وہ دس سال کے ہوجائیں"۔(مشکوٰۃ)

اس حدیث سے مناسب موقع پر حسبِ ضرورت مارنے کی اجازت معلوم ہوتی ہے۔

مارنے میں اس بات کا بھی خیال رکھا جائے کہ اس حد تک نہ مارا جائے کہ جسم پر مار کا نشان پڑجائے۔ نیز جس وقت غصہ آرہا ہو، اس وقت بھی نہ مارا جائے؛ بلکہ بعد میں جب غصہ ٹھنڈا ہوجائے تو اس وقت مصنوعی غصہ ظاہر کرکے مارا جائے؛ کیونکہ طبعی غصہ کے وقت مارنے میں حد سے تجاوز کرجانے کا خطرہ ہوتا ہے اور مصنوعی غصہ میں یہ خطرہ نہیں ہوتا، مقصد بھی حاصل ہوجاتا ہے اور تجاوز بھی نہیں ہوتا۔

لڑکوں کو لڑکیوں پر ترجیح دینا گناہ اور جاہلانہ رسم ہے

اولاد اللہ تعالیٰ کی بیش بہا نعمت اور تحفہ ہے، خواہ لڑکا ہو یا لڑکی۔اسلامی تعلیمات کی رو سے

بچوں پر رحم وشفقت کے معاملہ میں مذکر و مؤنث میں کوئی تفریق نہیں ہے۔ جو والدین لڑکے کی بہ نسبت لڑکی سے امتیازی سلوک کرتے ہیں، وہ جاہلیت کی پرانی برائی میں مبتلا ہیں، اس طرح کی سوچ اور عمل کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے؛ بلکہ دینی اعتبار سے تو اس پر سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔ لڑکی کو کمتر سمجھنے والا درحقیقت اللہ تعالیٰ کے اس فیصلے سے ناخوشی کا اظہار کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اُسے لڑکی دے کر کیا ہے، ایسے آدمی کو سمجھ لینا چاہیے کہ وہ تو کیا پوری دنیا بھی مل کر اللہ تعالیٰ کے اس اٹل فیصلہ کو تبدیل نہیں کر سکتی۔ یہ درحقیقت زمانۂ جاہلیت کی فرسودہ اور قبیح سوچ ہے، جس کو ختم کرنے کے لیے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے والدین اور تربیت کرنے والوں کو لڑکیوں کے ساتھ اچھے برتاؤ اور ان کی ضروریات کا خیال رکھنے کی بار بار نصیحت کی۔

اولاد کے درمیان برابری اور عدل کریں ورنہ آپ کا گھر جہنم بن جائے گا

ابوداؤد شریف میں حضرت نعمان بن بشیرؓ کی حدیث ہے:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اعدلوا بين أبنائكم اعدلوا بين أبنائكم اعدلوا بين أبنائكم۔ (ابوداؤد، جلد: ۲، ص: ۱۴۴)

ترجمہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی اولاد کے درمیان برابری کرو، اپنی اولاد کے درمیان برابری کرو، اپنی اولاد کے درمیان برابری کرو"۔

مطلب یہ ہے کہ ظاہری تقسیم کے اعتبار سے سب بچوں میں برابری کرنی چاہیے؛ کیونکہ اگر برابری نہ ہو تو بچوں کی دل شکنی ہوتی ہے۔ ہاں! فطری طور پر کسی بچے سے دلی طور پر زیادہ محبت

ہوتو اس پر کوئی پکڑ نہیں ؛ بشرطیکہ ظاہری طور پر برابری رکھے۔ حدیث میں تین بار مکرر برابری کی تاکید آئی ہے جو اس کے واجب ہونے پر دلالت کرتی ہے، یعنی اولاد کے درمیان برابری کرنا واجب ہے، اور برابری نہ کرنا ظلم شمار ہوگا۔ اور اس کا خیال نہ رکھنا اولاد میں احساسِ کمتری اور باغیانہ سوچ کو جنم دیتا ہے، جس کے بعد بھیانک نتائج سامنے آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمان والدین کو اپنی اولاد سے متعلق ذمہ داریاں احسن طریقہ سے نبھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

بچوں کی تربیت کے حوالہ سے اللہ تعالیٰ سے اس طرح دعا کریں

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اولاد کے حوالہ سے بعض نصائح فرمائی ہیں۔ جن پر تعمیل ہمارے پیارے آقا سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہر موقع پر خود بھی فرمائی اور صحابہؓ سے بھی کروائی۔ جیسے اولاد کو دینی تعلیم اور اخلاق حسنہ سے آراستہ کرنے کے لئے والدین کو یہ دُعا سکھلائی۔

قَالَ رَبِّ هَبۡ لِیۡ مِنۡ لَّدُنۡکَ ذُرِّیَّۃً طَیِّبَۃً ۚ اِنَّکَ سَمِیۡعُ الدُّعَآءِ۔ (سورہ آل عمران، آیت:۳۹)

اے میرے رب! مجھے اپنی جناب سے پاکیزہ ذریت عطا کر۔ یقیناً تو بہت دعا سننے والا ہے۔

اولاد ہوجانے کے بعد اولاد کو نیکی اور تقویٰ پر قائم رکھنے کے لئے یہ دُعا سکھلائی:

قَالَ رَبِّ اَوۡزِعۡنِیۡۤ اَنۡ اَشۡکُرَ نِعۡمَتَکَ الَّتِیۡۤ اَنۡعَمۡتَ عَلَیَّ وَ عَلٰی وَالِدَیَّ وَ اَنۡ اَعۡمَلَ صَالِحًا تَرۡضٰہُ وَ اَصۡلِحۡ لِیۡ فِیۡ ذُرِّیَّتِیۡ ۚ اِنِّیۡ تُبۡتُ اِلَیۡکَ وَ اِنِّیۡ مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ۔ (سورہ الاحقاف، آیت:۱۶)

اے میرے رب! مجھے توفیق عطا کر کہ میں تیری اس نعمت کا شکریہ ادا کر سکوں جو تُو نے مجھ پر اور میرے والدین پر کی اور ایسے نیک اعمال بجالاؤں جن سے تُو راضی ہو اور میرے لئے میری ذریت کی بھی اصلاح کر دے۔ یقیناً میں تیری ہی طرف رجوع کرتا ہوں اور بلاشبہ میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔

بچہ یا بچی کی پیدائش پر کان میں اذان دینے کی حکمت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بچے کی پیدائش پر دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہنے کی تلقین فرمائی۔ جس سے ''اُم الصبیان'' (اس میں بچوں کو سوکھے کا مرض لاحق ہو جاتا ہے اور بچہ کمزور ہوتا چلا جاتا ہے۔ عموماً تشنج کا دورہ پڑتا ہے۔) کی بیماری نہیں ہوتی۔ (الجامع الصغیر)

ان الفاظ سے قرآنی تعلیم کا خلاصہ بچے کے سامنے رکھ دیا جاتا ہے گویا بچے کے دل میں تعلیم کا پختہ نقش قائم ہو جاتا ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اذان کے متعلق فرمایا: اَلْاَ ذَانُ یَتَرَدَّدُ الشَّیْطٰنُ۔ (بخاری) کہ اذان شیطان کو دھتکار کر دیتی ہے۔

اسی طرح حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے خود بعض بچوں کو گھٹی (بعض لوگ اسے گڑھتی بھی کہتے ہیں) دے کر دعا کی تا کہ بچے پر نیک اور اچھا اثر پڑے۔ اسی سنت کے تتبع میں خاندان اور معاشرہ میں نیک صالح شخص سے گھٹی دلوائی جاتی ہے۔

پھر سات دن کے ہونے پر لڑکے کی صورت میں دو اور لڑکی کی طرف سے ایک بکرے کی قربانی کا ارشاد ہے۔ اگر لڑکا پیدا ہو تو اس کا ختنہ بھی کرایا جائے۔ (زاد المعاد)

جب بچہ سات سال کا ہو جائے تو اس کو اس طرح نصیحت کرنا شروع کریں

جب بچہ سات سال کا ہو جائے تو اسے نماز پڑھنے کی ترغیب دینی چاہیں۔ اس سے پہلے بچے کو نماز کے الفاظ اور دُعائیں یاد کروا دینی چاہیں اور جب بڑا ہو جائے اور باہر چلنے پھرنے کے قابل ہو جائے تو پیارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے فحشاء و منکر سے بچانے کے لئے ہدایت دی کہ: مُرُوْا اَوْلَادَكُمْ بِالصَّلٰوةِ وَهُمْ اَبْنَاءَ سَبْعٍ وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَيْهَا وَ هُمْ اَبْنَاءَ عِشْرِيْنَ وَ فَرِّقُوْا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ۔ (ابوداؤد)

کہ جب بچہ سات سال کا ہو جائے تو اُسے نماز کا حکم دو اگر تین سال کی کوشش کے بعد بھی نماز نہ پڑھے تو اس کو سرزنش کی جائے اور دس سال کی عمر میں اس کو علیحدہ سلائیں اور جب بڑا ہو جائے تو اس کو گھر میں اجازت لے کر داخل ہونا چاہیئے۔

پھر فرمایا کہ جب تمہاری اولاد بولنے لگے تو اُسے لا الہ الا اللہ سکھا دو اور جب دودھ کے دانت گر جائیں تو نماز کا حکم دیں۔ (زادالمعاد)

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عورتوں سے بیعت لیتے وقت یہ عہد بھی لیتے کہ وہ اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ اپنی اولاد کو روحانی طور پر قتل نہیں کریں گی اور ان کی احسن طریق سے تربیت کریں گی اور ان کے اخلاق و عادات کو اسلامی شعار کے مطابق ڈھالیں گی۔

حتیٰ کہ حضورؐ نے عورتوں یعنی ماؤں کو ایسی حالت میں روزے رکھنے سے منع فرمایا جب وہ بچوں کو دودھ پلا رہی ہوں یا حاملہ ہوں تا ان کی صحت قائم رہے اور کوئی بُرا اثر بچے کی صحت پر نہ پڑے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طلاق و خلع کو ناپسند فرمایا اور اِسے اَبْغَضُ الْحَلَالِ قرار دیا۔ کیونکہ طلاق یا خلع سے بچے جہاں بٹ جاتے ہیں وہاں ان کی تربیت پر بھی بُرا اثر پڑتا ہے۔

بچوں کو عمدہ سے عمدہ ادب اور تہذیب سکھائیں

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قوم کے نئے پھولوں اور کلیوں کی تربیت کے لئے والدین کو ہدایت فرمائی کہ بیٹے کا حق اس کے باپ کے ذمے یہ ہے کہ وہ اس کا اچھا نام رکھیں، اس کا عمدہ ٹھکانہ بنائے اور پسندیدہ آداب سکھلائے۔

فرمایا: اپنے بچوں کو ادب سکھاؤ کیونکہ تمہارا یہ فعل روزانہ ایک صاع صدقہ کے برابر ہے۔

نیز ترمذی کی روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا مَا نَحَلَ وَالِدٌ وَلَدًا مِنْ نَحْلٍ اَفْضَلَ مِنْ اَدَبٍ حَسَنٍ یعنی باپ اپنے بیٹے کو نیک آداب سکھانے سے بہتر کوئی چیز نہیں دیتا۔

والدین کو ہی بچوں کی تربیت کے ذمہ دار قرار دیتے ہوئے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ اِلَّا یُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ یُهَوِّدَانِهٖ اَوْیُنَصِّرَانِهٖ اَوْ یُمَجِّسَانِهٖ۔ (بخاری کتاب الجنائز)

کہ ہر بچہ فطرت اسلام (فطرت صحیحہ) پر پیدا ہوتا ہے مگر اس کے والدین ہی اُسے یہودی، عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں یعنی بچہ والدین کے نمونہ کو اخذ کرتا ہے۔ بچہ اپنے والدین سے ہی سب سے پہلے سیکھتا ہے اس لئے والدین کو اپنا نمونہ درست رکھنا چاہئے۔

پھر والدین کو ہدایت دیتے ہوئے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی اولاد کی ایسے رنگ میں تربیت کرو کہ یہ تین خوبیاں بطور عادت وخصلت ان میں راسخ ہو جائیں۔

ا۔ اپنے نبی سے محبت۔

۲۔اہل بیت سے محبت۔

۳۔تلاوت قرآن اور اس سے محبت۔

اپنے بچوں کی عزت کریں اور ان کے ساتھ مل کر کھانا کھائیں

پھر فرمایا:اَعِیْنُوا اَوْلَادَکُمْ عَلَی الْبِرِ۔(الجامع الصغیر ابن سیوطی،ابن ماجہ)

کہ نیکی کے کاموں میں اپنے بچوں کی مدد کیا کرو۔

پھر فرمایا:

دُعَاءُ الْوَالِدِ لِوَلَدِہٖ کَدُعَاءِ النَّبِیِّ لِاُمَّتِہٖ۔(الجامع الصغیر ابن سیوطی،ابن ماجہ)

کہ باپ کی دُعا اپنے بچے کے حق میں ایسے ہی مقبولیت کا درجہ رکھتی ہے جیسے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دُعا اپنی امت کے لئے۔

اپنی اولاد کا واجبی احترام کرنے کی ہدایت دیتے ہوئے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ:اَکْرِمُوْا اَوْلَادَکُمْ وَاَحْسِنُوْا اَدَبَھُمْ۔(ابن ماجہ)

کہ والدین اپنی اولاد کے ساتھ نرمی و ملاطفت اور درگزر کا سلوک کریں۔ان کا واجبی احترام کریں اور ان کو آداب سکھلائیں۔

یہی ہدایت ابن ماجہ میں ان الفاظ میں بھی ملتی ہے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اے لوگو!اپنے بچوں کی عزت کیا کرو کیونکہ ان کی عزت کرنا دوزخ کا پردہ ہے اور ان کے ساتھ مل کر کھانا جہنم سے بچاؤ کا ذریعہ ہے۔

بچوں کی تربیت کیلئے لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو جو نصیحت کی تھی اس پر عمل کیجئے

سورہ لقمان میں حق باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِذْ قَالَ لُقْمَانُ لِابْنِهِ وَهُوَ يَعِظُهُ يَا بُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ۔ (سورہ لقمان، آیت: ۱۳)

''اور جب کہ لقمان نے نصیحت کرتے ہوئے اپنے لڑکے سے فرمایا کہ میرے پیارے بچے! اللہ کے ساتھ شریک نہ کرنا بیشک شرک بڑا بھاری ظلم ہے''۔

اسکے بعد اللہ بزرگ و برتر نے لقمان حکیم کے الفاظ میں ان مفید و نفع بخش پند و نصائح کو یوں بیان فرمایا ہے:

يَا بُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ۔

''اے میرے بیٹے! اللہ کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہراؤ، بے شک شرک بہت بڑا ظلم اور گناہ ہے''۔ (سورہ لقمان، آیت: ۱۳)

یعنی اللہ تعالیٰ کی بندگی بجالانے میں کسی کو بھی اس کا ساتھی اور ساجھی بنانے سے بچو، اور اللہ کے سوا مردہ یا آنکھوں سے اوجھل و پوشیدہ لوگوں سے دعائیں کرنا، ان کو پکارنا اور ان سے فریاد کناں ہونا عبادت میں شرک کرنے کے زمرے میں آتا ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: الدُّعَاءُ هُوَ العِبَادَةِ۔

''یعنی دعا ہی عبادت ہے'' (اسے ترمذی نے روایت کر کے حسن صحیح کہا ہے) کہہ کر اسی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

اور جب یہ آیت نازل ہوئی: الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُم بِظُلْمٍ۔

(سورہ انعام آیت: ۸۲)

''وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ مخلوط نہیں کیا۔

تو اس وقت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر اس آیت کا نزول نہایت شاق وگراں گذرا، چنانچہ انہوں نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پریشانی کا اظہار کرتے ہوئے کہا: أَيُّنَا لَا يَظْلِمُ نَفْسَهُ؟ ''یعنی ہم میں سے کون ہے جو اپنے آپ پر ظلم نہ کرتا'' تو اس کے جواب میں رسولِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لَيْسَ ذَلِكَ، إِنَّمَا هُوَ الشِّرْكُ ،أَلَمْ تَسْمَعُوا مَا قَالَ لُقْمَانُ لِابْنِهِ: يَا بُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللهِ، إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ۔

''یعنی یہ وہ عام ظلم نہیں ہے بلکہ اس (آیت میں مذکور لفظ ظلم) سے مراد تو صرف شرک ہی ہے، کیا تم نے لقمان کا وہ قول نہیں سنا جس میں وہ اپنے بیٹے کو مخاطب کر کے کہتے ہیں: اے میرے بیٹے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا، یقیناً شرک بہت بڑا ظلم ہے''۔ (بخاری ومسلم)

وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ۔ (سورہ لقمان، آیت: ۱۴)

''ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے متعلق نصیحت کی ہے، اس کی ماں نے دکھ پر دکھ اٹھا کر اسے حمل میں رکھا اور اس کی دودھ چھڑائی دو برس میں ہے کہ تو میری اور اپنے ماں باپ کی شکر گزاری کر، (تم سب کو) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔

دیکھئے تو ماں اپنے بچے کو کس قدر مشقّت کے ساتھ اپنے پیٹ میں اٹھائے رکھتی ہے، جب کہ باپ بچے کے تمام اخراجات برداشت کرنے کی ذمہ داری کو نبھانے میں کوئی دقیقہ

فروگذاشت نہیں کرتا۔ اس وجہ سے والدین کا اپنے بچے پر یہ حق ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری کے ساتھ اپنے محسن والدین کے احسانات کا بھی شکر گذار رہو۔

وَإِن جَاهَدَاكَ عَلَىٰ أَن تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ﴾۔ (سورہ لقمان، آیت: ۱۵)

اور اگر وہ دونوں تجھ پر اس بات کا دباؤ ڈالیں کہ تو میرے ساتھ شریک کرے جس کا تجھے علم نہ ہوتو تو ان کا کہنا نہ ماننا، ہاں دنیا میں ان کے ساتھ اچھی طرح بسر کرنا اور اس کی راہ چلنا جو میری طرف جھکا ہوا ہو، تمہارا سب کا لوٹنا میری ہی طرف ہے، تم جو کچھ کرتے ہو اس سے پھر میں تمہیں خبر دار کروں گا۔

امام حافظ ابن کثیرؒ اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

إِنْ حَرَصَا عَلَيْكَ كُلَّ الْحِرْصِ عَلَى أَنْ تُتَابِعَهُمَا عَلَى دِينِهِمَا ، فَلَا تَقْبَلْ مِنْهُمَا ذَلِكَ ، وَلَا يَمْنَعَنَّكَ ذَلِكَ مِنْ أَنْ تُصَاحِبَهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا ، أَيْ : مُحْسِنًا إِلَيْهِمَا،(وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ) يَعْنِي : الْمُؤْمِنِينَ)

یعنی وہ تجھ کو اپنے دین کی اتباع پر مجبور کرنے کی غرض سے چاہے جس قدر بھی اصرار کریں ان کی اس بات کو کسی بھی صورت میں قبول نہ کر، اور یہ بات تجھ کو ان کے ساتھ دنیا میں اچھا برتاؤ کرنے سے کسی طور بھی مانع نہیں ہونی چاہیے، اور اہل ایمان کے طریقہ کی پیروی و اتباع برابر کرتے رہو۔

ہمارے خیال کے مطابق اس بات کی تائید تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مندرجہ ذیل فرمان سے بھی ہوتی ہے:

لَا طَاعَةَ لأَحَدٍ فِي مَعْصِيَةِ اللَّهِ , إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ۔(متفق علیہ)

''جس کام میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو اس میں کسی شخص کی بھی اطاعت جائز نہیں ہے، کیونکہ اطاعت وفرمانبرداری تو صرف نیکی کے کاموں میں ہی ہونی چاہئے''۔(متفق علیہ)

﴿يَا بُنَيَّ إِنَّهَا إِن تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُن فِي صَخْرَةٍ أَوْ فِي السَّمَاوَاتِ أَوْ فِي الْأَرْضِ يَأْتِ بِهَا اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ﴾۔(لقمان:۱۶)

أَيْ : إِنَّ الْمَظْلَمَةَ أَوِ الْخَطِيئَةَ لَوْ كَانَتْ مِثْقَالَ حَبَّةٍ [مِنْ] خَرْدَلٍ أَحْضَرَهَا اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حِينَ يَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ ، وَجَازَى عَلَيْهَا إِنْ خَيْرًا فَخَيْرٌ ، وَإِنَّ شَرًّا فَشَرٌّ۔

''یعنی کوئی ظلم وزیادتی یا گناہ ولغزش خواہ وہ رائی کے دانے کے برابر ہی کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز جس وقت عدل وانصاف کے ترازو قائم کرے گا اس کو حاضر کرے گا، پھر قوانین عدل کے عین مطابق جزاوسزا کا اہتمام فرمائے گا''۔

﴿يَا بُنَيَّ أَقِمِ الصَّلَاةَ﴾۔(لقمان:۱۹)

''اے میرے بیٹے نماز قائم کرو''۔

اقامت نماز سے مراد نماز کے ارکان وواجبات کو پورے خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کرنا ہے۔

وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنكَرِ۔(لقمان:۱۷)

''اور نیکی کا حکم دو، اور برائی سے روکو''۔

اس کا حکیمانہ انداز میں نہایت پیار اور نرمی کے ساتھ سرانجام دینا ضروری ہے۔

﴿وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا أَصَابَكَ﴾۔(لقمان:۱۷)

''اور جو مصیبت تمہیں پہنچے اس پر صبر کرو''۔

لقمان حکیم نے اس وصیّت سے پہلے اپنے بیٹے کو چونکہ نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کی ہدایت کی تھی اور اس کے ساتھ ساتھ وہ اس بات کا بھی بخوبی علم رکھتے تھے کہ جو شخص بھی نیکی کو پھیلانے کے لئے جدوجہد کرے گا، یا برائی کے خلاف برسر پیکار رہے گا اس کو مصائب وآلام سے ہر صورت میں نبرد آزما ہونا ہی پڑے گا، اس لئے انہوں نے موقع کی مناسبت سے پہلی وصیّت کے ساتھ ہی صبر وتحمّل سے کام لینے کی تلقین بھی فرمادی۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی اس سلسلہ میں ارشاد ہے:

اَلْمُؤْمِنُ اَلَّذِي يُخَالِطُ اَلنَّاسَ, وَيَصْبِرُ عَلَى أَذَاهُمْ خَيْرٌ مِنْ اَلَّذِي لَا يُخَالِطُ اَلنَّاسَ وَلَا يَصْبِرُ عَلَى أَذَاهُمْ)(أَخْرَجَهُ اِبْنُ مَاجَهْ بِإِسْنَادٍ حَسَنٍ۔

''یعنی وہ مومن جو لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہتا ہے اور ان کی جانب سے پہنچنے والی تکالیف وپریشانیوں پر کبیدہ خاطر ہونے کی بجائے صبر وتحمّل کا مظاہرہ کرتا ہے وہ اس مومن سے بہتر ہے جو لوگوں سے الگ تھلگ رہتا ہے اور ان کی جانب سے پہنچنے والے رنج والم پر صبر وتحمل کا مظاہرہ نہیں کرتا'' (ابن ماجہ نے اسے حسن سند سے روایت کیا ہے)۔

﴿وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ﴾۔(لقمان:۱۸)

''لوگوں کے سامنے اپنے گال نہ پھلا''۔

آیت کے اس..حصّہ کی تفسیر کرتے ہوئے امام حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

لَا تُعْرِضْ بِوَجْهِكَ عَنِ النَّاسِ إِذَا كَلَّمْتَهُمْ أَوْ كَلَّمُوكَ ، احْتِقَارًا مِنْكَ لَهُمْ ، وَاسْتِكْبَارًا عَلَيْهِمْ وَلَكِنْ أَلِنْ جَانِبَكَ ، وَابْسُطْ وَجْهَكَ إِلَيْهِمْ۔

''یعنی ایسے وقت میں جب تم لوگوں کے ساتھ گفتگو کررہے ہو یا وہ تمہارے ساتھ ہم کلام ہورہے ہوں تو ان کو اپنے سے کم مرتبہ اور اپنے آپ کو ان سے اعلیٰ وارفع تصوّر کرتے ہوئے ان سے روگردانی مت کیجیے، بلکہ ان کے لئے ہمیشہ اپنے دل میں نرم گوشہ اختیار کئے رکھئے، اور ان کے ساتھ خندہ پیشانی وکشادہ روئی سے پیش آتے رہیے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: تَبَسُّمُكَ فِي وَجْهِ أَخِيكَ لَكَ صَدَقَةٌ۔

(صحیح، رواہ الترمذی وغیرہ)

''یعنی تمہارا اپنے بھائی کے سامنے مسکرادینا بھی تمہاری طرف سے صدقہ ہی ہے''۔

﴿وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا﴾۔ (لقمان:۱۸)

اور زمین پر اترا کر نہ چل۔

یعنی اتراتے، ڈینگیں مارتے، شیخیاں بگھارتے اور غرور وسرکشی کے عالم میں حق وصداقت سے منہ پھیرتے ہوئے زمین پر مت چلو، اس قسم کا طرز عمل اختیار کرنے سے تمہیں باز رہنا چاہیئے، کیونکہ اگر تم اس قسم کے رویّہ سے باز نہیں آؤ گے تو یہ تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کی ناپسندیدگی ونفرت کا باعث بن جائے گا، اس قسم کے طرزِ عمل میں پائی جانے والی برائیوں اور قباحتوں سے اپنے دامن کو بچائے رکھنے کی مزید تاکید کے لئے لقمان حکیم نے ساتھ ہی فرمایا:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ﴾۔ (لقمان:۱۹)

''بے شک اللہ تعالیٰ کسی تکبر کرنے والے اور فخر کرنے والے کو کبھی پسند نہیں کرتا''۔

امام حافظ ابن کثیرؒ اس آیت کے معانی کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''مختال'' سے مراد ہر وہ شخص ہے جو غرور، تکبر اور گھمنڈ میں مبتلا ہو۔

اور (فخور) ایسے شخص کو کہتے ہیں جو اپنے آپ کو دوسروں پر فخر میں فوقیت وفضیلت دیتا ہو۔

﴿وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ﴾۔ (لقمان:۱۹)

''اور اپنی چال میں میانہ روی اختیار کر۔

یعنی چلتے ہوئے میانہ اور اوسط درجہ کی ایسی رفتار اختیار کیجئے جس میں قدم نہ تو آہستہ آہستہ ،رُک رُک کر اٹھ رہے ہوں اور نہ ہی ان کے اٹھنے میں ضرورت سے زیادہ عجلت وتیزی کا مظاہرہ کیا جارہا ہو، بلکہ اس میں حد درجہ توازن واعتدال ہونا چاہئے۔

وَاغْضُضْ مِن صَوْتِكَ۔ (لقمان:۱۹)

''اور اپنی آواز کو پست رکھو''۔

یعنی گفتگو کرتے وقت مبالغہ آرائی سے کام مت لو، اور بلاضرورت کڑک کڑک کر باتیں نہ کرو، اس کردار کی برائی وقباحت کو بیان کرنے کے لئے لقمان علیہ السلام نے مزید کہا:

﴿إِنَّ أَنكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ﴾۔ (لقمان:۱۹)

''بے شک سب سے زیادہ ناپسندیدہ اور مکروہ آواز گدھے کی آواز ہے''۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں مذکورہ آیت کی تشریح کرتے ہوئے امام مجاہدؒ کا یہ قول نقل کیا ہے:

إِنَّ أَقْبَحَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ ، أَيْ : غَايَةُ مَنْ رَفَعَ صَوْتَهُ أَنَّهُ يُشَبَّهُ بِالْحَمِيرِ فِي عُلُوِّهِ وَرَفْعِهِ ، وَمَعَ هَذَا هُوَ بَغِيضٌ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى . وَهَذَا التَّشْبِيهُ فِي هَذَا بِالْحَمِيرِ يَقْتَضِي تَحْرِيمَهُ وَذَمَّهُ غَايَةَ الذَّم۔

''بے شک سب سے بھدّی اور بری آواز گدھوں کی آواز ہے، اور اپنی آواز کو بلاضرورت

بلند کرنے والے شخص سے متعلق زیادہ سے زیادہ جو بات کہی جاسکتی ہے وہ یہی ہے کہ اس کو آواز کے بلند اور اونچا کرنے کی وجہ سے گدھوں سے تشبیہ دے دی جائے۔اور اس کے ساتھ ساتھ ایسا شخص اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں نہایت مبغوض اور غیر پسندیدہ انسان بھی ہے،اور گدھوں کے ساتھ ایسے شخص کو دی گئی تشبیہ کا تقاضا تو بہر حال یہی ہے کہ بلاضرورت آواز کے بلند کرنے کو حرام اور انتہائی قابل مذمّت طرز عمل کیا جائے''۔

اس کے علاوہ اس سلسلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے اس ارشادات گرامی بھی نہایت واضح ہیں:

لَيْسَ لَنَا مَثَلُ السَّوْءِ، الَّذِي يَعُودُ فِي هِبَتِهِ كَالْكَلْبِ يَرْجِعُ فِي قَيْئِهِ۔

(صحیح البخاري، رقم (۲۶۲۲)

''ہم مسلمان بری مثالوں کے مصداق نہیں ہیں، اپنے ہبہ کی طرف لوٹنے والا (کسی چیز کو عنایت کر کے پھر اس کی واپسی میں دلچسپی لینے والا) بالکل اس کتّے کی طرح ہے جو اپنی قے کی طرف لوٹتا ہے (یعنی قے کرنے کے بعد اسے کھالیتا ہے)۔

إِذَا سَمِعْتُمْ صِيَاحَ الدِّيَكَةِ ،فَاسْأَلُوا اللَّهَ مِنْ فَضْلِهِ ، وَإِذَا سَمِعْتُمْ نَهِيقَ الْحَمِيرِ فَتَعَوَّذُوا بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ ، فَإِنَّهَا رَأَتْ شَيْطَانًا۔(متفق علیہ)

''جب مرغ کی بانگ سنو تو اللہ سے اس کے فضل کا سوال کیا کرو، کیونکہ اس نے فرشتے کو دیکھا ہے اور جب گدھے کی آواز سنو تو شیطان سے اللہ کی پناہ مانگو کیونکہ اس نے شیطان کو دیکھا ہے''۔(دیکھئے تفسیر ابن کثیر، ج ۳/ ۲۶۶)

مذکورہ آیات سے چند اہم مسائل کا استنباط:

ا۔باپ کو چاہیے کہ وہ ہمیشہ اپنے بیٹے کو ایسی نصیحتوں سے نوازتا رہے جو اس کے لئے دنیا وآخرت میں نفع بخش، سودمند اور کارآمد ثابت ہوسکتی ہوں۔

۲۔نصیحت کی ابتدا توحید پر قائم رہنے کی تلقین اور شرک سے بچنے کی تنبیہ سے ہونی چاہیے، کیونکہ اللہ کے ساتھ شرک اتنا بڑا ظلم ہے کہ وہ تمام اعمال کو غارت کر کے رکھ دیتا ہے۔

۳۔اللہ رب العزّت کی عطا کی ہوئی نعمتوں پر جس طرح اس کا شکر ادا کرنا ضروری ہے اسی طرح والدین کے احسانات اور ان کی جانب سے ملنے والے پیار و محبّت کے مقابلے میں اظہارِ تشکّر کے طور پر ان کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنا اور ان سے خوشگوار تعلّقات کو قائم و دائم رکھنا بھی ضروری ہے۔

۴۔لیکن یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیئے کہ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مندرجہ ذیل ارشاد گرامی کی روشنی میں والدین کی اطاعت و فرمانبرداری ہر اس کام میں واجب ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا احتمال نہ ہو چنانچہ اس سلسلہ میں فرمانِ نبوی ہے:

لَا طَاعَةَ لأحدٍ فِي مَعْصِيَةِ اللهِ، إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ۔

''اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت حلال نہیں ہے اطاعت صرف نیک کاموں میں ہے''۔(صحیح بخاری)

۵۔توحید پرست اہل ایمان کے طریقہ کی پیروی ضروری ہے، جب کہ بدعتیوں کے آثار اور ان کے طور طریقوں کی اتباع ناجائز و حرام ہے۔

٦۔پوشیدہ اور ظاہر، ہر حالت میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا چاہیئے۔نیکی چاہے کتنی معمولی ہی کیوں نہ ہو اسے کسی صورت میں بھی ہلکا خیال کر کے چھوڑنا نہیں چاہیے، اسی طرح کسی برائی کو چھوٹی برائی تصوّر کر کے اس کے اجتناب سے کوتاہی ہرگز نہیں برتنی چاہیئے۔

۷۔نماز کو مکمّل یکسوئی کے ساتھ اس کے جملہ ارکان و واجبات سمیت ادا کرنا چاہیے۔

۸۔دوسروں کو نیکی کی دعوت دینے اور انہیں برائی سے باز رکھنے کی کوشش نہایت ضروری ہے، اس کام کو جس قدر بھی علمی روشنی کی مدد سے اور لطف و پیار سے انجام دیا جائے گا اتنا ہی بہتر ہوگا۔اس مسئلہ کی اہمیت کو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

مَنْ رَأَى مِنكُمْ مُنكَرًا،فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ،فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذَٰلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ۔(مسلم)

''تم میں سے جو شخص کوئی بات خلاف شرع دیکھے،تو اسے اپنے ہاتھ سے روک دے، اگر اس کی طاقت نہ ہوتو اپنی زبان سے روکے، اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہوتو اس کو دل سے برا جانے، اور یہ ایمان کا سب سے معمولی درجہ ہے''۔(صحیح مسلم)

۹۔نیکی کا پرچار کرنے اور برائی سے دوسروں کو باز رکھنے والے شخص کو اپنے اس راستے میں جس قدر بھی نامساعد حالات اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑے اسے اس پر صبر کرنا چاہیے، اور یہ بات یقیناً عزیمت کے کاموں میں سے ہے۔

۱۰۔چال میں تکبّر،فخر اور غرور کے انداز کو اختیار کرنا حرام ہے۔

۱۱۔رفتار میں اعتدال و میانہ روی کا پایا جانا ضروری ہے، کیونکہ اسلامی نقطۂ نگاہ سے رفتار نہ تو بہت زیادہ تیز ہونی چاہیے اور نہ ہی اسے حد درجہ سست روی کی وجہ سے مریل بنادینا چاہئے۔

۱۲۔ضرورت سے زیادہ آواز کو بلند کرنے کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے، کیونکہ ایسا طرزِ عمل انسانوں کی عادات سے ملنے کے بجائے گدھوں کی عادات سے زیادہ مشابہت رکھتا ہے۔

اے بچو! نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ان نصیحتوں کو ضرور اپناؤ

امام ترمذیؒ نے اپنی جامع میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک حسن صحیح حدیث نقل

کی ہے جس میں آپ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سواری پر بیٹھا تھا کہ آپ نے مجھے مخاطب کرکے ارشاد فرمایا: ”اے بچے! میں تمہیں کام کی چند باتیں سکھاتا ہوں:

۱۔ احْفَظْ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ۔

یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ کے احکام بجالاؤ اور اس کے منع کردہ کاموں کے ارتکاب سے بچو تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں تمہارا ہر طرح سے خیال رکھے گا۔

۲۔ احْفَظْ اللّٰهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ۔

یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدود کی حفاظت اور اس کے عائد کردہ حقوق کی ادائیگی کا پورا خیال رکھو تو اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کی اصلاح فرمائے گا اور تم اپنی مدد کے لئے اسے ہر آڑے وقت میں تائید و نصرت سمیت اپنے سامنے پاؤ گے۔

۳۔ إِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلْ اللّٰهَ، وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ۔

جب تم کچھ مانگنا چاہو تو بس اللہ ہی سے مانگو، اور جب تم مدد طلب کرو تو صرف اللہ ہی سے مدد طلب کرو۔

اس سے مقصود یہ ہے کہ جب تمہیں دنیا و آخرت کے کاموں میں سے کسی کام سے متعلق مدد درکار ہو تو اس کے لئے تمہیں صرف اللہ تعالیٰ ہی کے سامنے اپنے ہاتھوں کو پھیلانا چاہیے۔ اور خاص طور پر ایسے کاموں کے لئے تو صرف اور صرف اسی کی طرف رجوع کرنا چاہیے جن میں اس کے سوا کوئی بھی تعاون و مدد کرنے کی طاقت و قدرت نہیں رکھتا۔ جیسے کہ بیماری سے شفا اور رزق میں کشادگی کی خواہش و طلب وغیرہ کے مسائل ہیں، کیونکہ ان مسائل کا تعلق ایسے امور کے ساتھ ہے جن کو اللہ رب العزت نے صرف اور صرف اپنی ذات کے ساتھ ہی خاص کر رکھا ہے۔

امام نووی اور امام ہیثمی رحمہما اللہ نے اس سے یہی معنیٰ مراد لیا ہے۔

۴۔ وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوْ اجْتَمَعَتْ عَلَى أَنْ يَنْفَعُوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَنْفَعُوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللَّهُ لَكَ، وَلَوْ اجْتَمَعُوا عَلَى أَنْ يَضُرُّوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَضُرُّوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللَّهُ عَلَيْكَ۔

اور اچھی طرح جان لو کہ اگر امّت کے تمام افراد اکٹھے ہو کر تجھے کچھ فائدہ پہنچانا چاہیں تو تجھے صرف اسی چیز کا ہی فائدہ پہنچا سکیں گے جس کو اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے پہلے سے لکھ رہا ہے۔ اور اگر وہ سارے تجھے کسی نقصان سے دوچار کرنے پر مل جائیں تو وہ تجھے صرف اسی چیز میں ہی نقصان پہنچا سکتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے پہلے سے مقدّر کر رکھا ہے۔

۵۔ رُفِعَتْ الْأَقْلَامُ وَجَفَّتْ الصُّحُفُ ۔(رواہ الترمذی، وقال: حسن صحیح)

قلم اٹھا لئے گئے ہیں اور اوراق خشک ہو چکے ہیں۔

لیکن اس سلسلہ میں یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ ''توکل علی اللہ'' کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ انسان صرف یہ سوچ کر ہی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہے کہ چونکہ ہر آدمی کا مقدر تو روزِ اوّل سے ہی اللہ تعالیٰ کی جانب سے لکھا جا چکا ہے۔ اور اب جبکہ اس میں کسی قسم کی تبدیلی کا بھی کوئی امکان نہیں ہے تو اس صورت میں اس کے لئے اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے سامنے تسلیم و رضا کا پیکر بن جائے اور اپنے حالات کو مادّی اسباب کے ذریعہ درست کرنے کے بجائے صرف اعتمادِ الٰہی کی بنیاد پر اپنی ہر قسم کی جدوجہد سے کنارہ کشی اختیار کر لے، بلکہ ''توکل علی اللہ'' کا مفہوم تو یہ ہے کہ ظاہری و مادی اسباب کو اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی ذات بزرگ و برتر پر اپنے اعتماد و بھروسہ کا بھرپور اظہار کیا جائے،

کیونکہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اونٹنی کے مالک سے ارشاد فرمایا تھا: (إعقلها وَتَوَكَّلْ) یعنی پہلے اس کے زانو کو باندھو پھر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کا اظہار کرو"۔ (امام ترمذی نے اس حدیث کو روایت کرتے ہوئے حسن کہا ہے)۔

والدین اور اساتذہ، دونوں کا فرض ہے کہ وہ بچوں کے دلوں میں عقیدۂ توحید کو اس طور پر راسخ و مضبوط کردیں کہ جب بھی ان کے دل میں کسی چیز کی طلب وخواہش پیدا ہو یا ان کو کسی معاملہ میں استعانت و مدد درکار ہو تو وہ اس کے لیے صرف اور صرف رب کائنات کے حضور ہی اپنے ہاتھوں کو پھیلائیں۔

۵۔ بچوں کے دلوں مین عقیدۂ ایمان کو بھی نہایت مستحکم بنیادوں پر استوار کرنے کی ضرورت ہے اس سلسلے میں یہ بات ان کے علم میں لانی چاہیے کہ ایمان بالقدر (یعنی تقدیر پر ایمان لانا چاہے وہ تقدیر انسان کے حق میں اچھی ہو یا بری) ایمان کے ارکان میں سے ایک رکن ہے۔

۶۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی ،وَاعْلَمْ أَنَّ النَّصْرَ مَعَ الصَّبْرِ ، وَأَنَّ الْفَرَجَ مَعَ الْكَرْبِ ، وَأَنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا۔ "یعنی خوب جان لو کہ اللہ کی تائید ونصرت صبر وتحمل کے ساتھ ہی حاصل ہوسکتی ہے، اور ہر تنگی کے بعد کشادگی ہے اور ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے" کی روشنی میں بچوں کی تربیت ایسے طور پر ہونی چاہیے کہ وہ اپنے ہر کام کے نیک انجام سے متعلق پر امید ہوں کیونکہ اس طرح وہ صرف یہی نہیں کہ آنے والے دنوں کے خطرات کا مقابلہ نہایت شجاعت و جوانمردی اور قومی وملی بھر پور جذبوں کے ساتھ کرنے کے قابل ہوسکیں گے بلکہ ان کا وجود امّت اسلامیہ کے لئے نہایت مفید و کارآمد بھی ثابت ہوگا۔

بچوں کی تربیت ایسے کریں

یقیناً یہ ایک پیچیدہ اور اہم مسئلہ ہے، ہر ذمہ دار اور نگراں پر اپنے متعلق ماتحتوں کی تربیت کا

فریضہ عائد ہوتا ہے، استاذ کے ذمہ اپنے شاگردوں کی، شیخ کے اوپر اپنے مریدین کی، والدین پر اپنی اولاد کی، ان کی نفسیات کا لحاظ رکھ کر صحیح تربیت کرنا لازم اور ضروری ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے، **الا کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیته**۔ (مشکوٰۃ، ص: ۳۲۰)

مسلمانو! تم میں سے ہر ایک حکمراں ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کی نسبت سوال کیا جائے گا) بچپن میں بچہ کے دل کی تختی چونکہ صاف شفاف ہوتی ہے۔ پھر جیسے ماحول میں بچہ کی نشوونما ہوتی ہے ایسے ہی اثرات اس کے دل ودماغ پر نقش ہوجاتے ہیں اور عام طور سے اسی پر اس کی آئندہ زندگی کی تعمیر ہوتی ہے لہٰذا مربی کے لئے ضروری ہے کہ وہ بچہ کے لئے خوشگوار ماحول مہیا کریں شریر بچوں سے الگ رکھیں گھریلو زندگی میں بھی کوئی نامناسب بات یا غیر مہذب حرکت بچہ کے سامنے نہ کریں، حرکات وسکنات میں بھی سنجیدگی ومتانت ہو، بول چال میں پیار ومحبت اور تنبیہ میں توازن اور اعتدال قائم رہنا چاہئے، تہذیب وشائستگی کا خیال رکھے، چونکہ غیر محسوس طریقہ پر تمام چیزیں بچہ کے اندر منتقل ہوتی ہیں، اور وہ جس طرح کوئی کام دیکھتا یا کوئی بات سنتا ہے، عملاً اس کو اختیار کرنے کی کوشش کرتا ہے، بچہ کی اخلاقیات پر بھی خاص توجہ دی جائے، محبت میں اس کی عادتیں بگڑنا شروع ہوجاتی ہیں، شریعت مطہرہ نے ہر موقعہ پر اعتدال کی تعلیم دی ہے۔

صحیح تربیت کردینا کروڑوں کی ملکیت سے بہتر ہے

حضرت مفتی مہربان علی شاہ بڑوتی رحمۃ اللہ علیہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے تربیت کے باب میں خاص ملکہ دیا تھا) اپنے ایک مخصوص وصیت نامہ میں تحریر فرماتے ہیں: "بچہ کی صحیح تربیت کردینا کروڑوں کا مالک بنادینے سے بہتر ہے" مزید فرمایا کہ اس زمانہ میں بہت سے لوگ اولاد کے

لئے پریشان ہیں (کہ کوئی اولاد نہیں) اور بہت سے لوگ اپنی اولاد سے پریشان ہے (کہ بچپن میں صحیح تربیت نہیں کی گئی، پیار پیار میں ان کو بگاڑ دیا پھر پریشان ہیں کہ کیا کریں اولاد مطیع نہیں لڑکے نے بدنام کردیا، جینا مشکل کردیا وغیرہ) نیز یہ بھی اس زمانہ کا عام مزاج بنا ہوا ہے کہ اپنا بچہ اگر کوئی غلطی کردے یا کوئی غلط بات زبان سے نکال دے یا کسی دوسرے کے ساتھ بدتمیزی کرے تو اس کے والدین یا مربی یہ کہہ کر بات ختم کردیتے ہیں کہ بچہ ہی تو ہے آہستہ آہستہ سنور جائے گا، حالانکہ بچپن کا دور ہی بگڑنے سنورنے کا ہوتا ہے، اس وقت مزاج کے اندر فساد اور بگاڑ آگیا تو پھر مستقبل کا سنورنا مشکل ہوجاتا ہے، لہٰذا بچہ کی سچی محبت اور اصلی ہمدردی کا تقاضہ یہ ہے کہ ہر ہر موقع پر اس کی نگرانی کی جائے، نامناسب امور میں اسے فہمائش کی جائے، وہ کسی کی جانب لالچ کی نگاہ نہ ڈالے، شروع ہی سے اس کو عادی بنایا جائے کہ وہ ہر چیز کا سوال اللہ سے کرے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بچپن میں تعلیم فرماتے ہیں ”اے بچے! خدا کو یاد رکھ تو اس کو اپنے سامنے پائے گا، اور جب تو سوال کرے تو اللہ ہی سے سوال کر اور جب تو مدد چاہے تو اللہ ہی سے مدد مانگ اور جان لے اس بات کو کہ اگر تمام لوگ اس بات پر اتفاق کرلیں کہ تجھ کو کچھ نفع پہنچانا چاہیں تو ہرگز اس کے سوا کچھ نفع نہیں پہنچا سکتے جو کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے واسطے لکھ دیا ہے اور اگر سب لوگ اس پر متفق ہوجائیں کہ تجھے کچھ نقصان پہنچانا چاہیں تو ہرگز اس کے سوا کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے جو اللہ نے تیرے واسطے لکھ دیا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف ص: ۴۵۳)

بچوں کی اسلامی تربیت: ایسے کیجئے

اسلامی تعلیمات میں اولاد کی تربیت کے سلسلے میں اتنی رہنمائیاں ہیں کہ ان سے پورا فنِ تربیت ترتیب پاسکتا ہے، ہمارے دینی علمی ورثہ میں اس موضوع پر گفتگو والدین پر اولاد کے

حقوق' کے عنوان کے تحت کی جاتی ہے،خود یہ عنوان اپنے اندر پورا پیغام رکھتا ہے، یہ بتاتا ہے کہ تربیت بلا منصوبہ اور بے ترتیب انجام دیے جانے والے چند افعال سے عبارت نہیں ہے، بلکہ یہ درحقیقت اولاد کے حقوق کی ادائیگی ہے، جن کا حق داروں تک مکمل طور پر پہنچنا لازمی ہے، ورنہ حقوق کی ادائیگی کا مکلف شخص گناہ گار ہوگا۔

والدین کی بڑی تعداد ان حقوق سے مکمل غافل ہے، بہت سے والدین کو تو ان حقوق کی بابت کچھ خبر ہی نہیں ہوتی، اکثر علما بھی ان حقوق کی بابت یاددہانی نہیں کراتے، وہ کچھ اور امور ومسائل کو زیادہ اہم جان کر ان کے ہی بارے میں گفتگو کرتے ہیں، حالاں کہ اولاد کے ان حقوق کی ادائیگی پر ہی قوم وملت کا مستقبل منحصر ہے، اس لیے کہ مستقبل ان بچوں سے ہی عبارت ہے جن سے ہم بسا اوقات چھوٹا جان کر صرفِ نظر کر لیتے ہیں، ان کے والدین غمِ روزگار یا لذتِ دنیا کے ایسے اسیر ہو جاتے ہیں کہ ان پر کچھ توجہ نہیں دیتے، ان کی تعلیم گاہیں ان کی تربیت کو اپنا میدانِ کار نہیں سمجھتیں، ذرائع ابلاغ ان کو سنوارنے سے زیادہ بگاڑتے ہیں......اور پھر ہم حیرت کے ساتھ پوچھتے ہیں کہ آج کل کے نوجوانوں کو ہوا کیا ہے؟ وہ اتنے بگڑ کیسے گئے؟ اپنے باپ دادا کی روش سے ہٹ کیوں گئے؟

حضرت عمرؓ کی خلافت کا ایک واقعہ بعض کتابوں میں نقل کیا گیا ہے، وہ اس موقع پر قابلِ ذکر ہے: ایک شخص نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے بیٹے کی شکایت کی کہ وہ اس کے ساتھ برا سلوک کرتا ہے، آپؓ نے اس کے بیٹے کو طلب فرمایا اور والد کے ساتھ بدسلوکی پر اس کو سرزنش کی، اس نے دریافت کیا: امیر المومنین! کیا والد پر بیٹے کے کچھ حقوق نہیں ہیں؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا کیوں نہیں؟ والد کی ذمہ داری ہے کہ وہ بیٹے کے لیے اچھی

ماں کا انتخاب کرے، اس کا اچھا نام رکھے، اور اسے قرآن کی تعلیم دے، اس لڑکے نے عرض کیا: امیر المومنین! میرے والد نے ان میں سے میرا کوئی حق ادا نہیں کیا، میری ماں ایک مجوسی کی سیاہ فام باندی ہے، والد نے میرا نام ’جُعَل‘ (بھونرا) رکھا ہے، اور قرآن کے ایک حرف کی مجھ کو تعلیم نہیں دی، حضرت عمرؓ نے لڑکے کی زبان سے یہ سنا تو اس کے والد سے فرمایا: ”تمھارا بیٹا تمھارے ساتھ اب بدسلوکی کر رہا ہے، لیکن پہلے تم نے اس کے ساتھ برا سلوک کیا ہے“۔

ہمیں اندازہ ہے کہ لوگوں کو تربیت اولاد کے سلسلے میں کسی نئے طریقے پر آمادہ کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے، اس لیے کہ اس کا پہلا تقاضا یہ ہے کہ بڑے جس طریقۂ تربیت کو دیکھتے ہوئے جوان یا بوڑھے ہوئے ہیں اس میں تبدیلی لائیں، اس لیے کہ اس طریقۂ تربیت میں بہت سی برائیاں ہیں، جن میں سب سے سنگین غلطیاں یہ ہیں: بچوں کی تربیت پر توجہ ہی نہ دینا، نہایت سختی یا بے جا نرمی برتنا اور بے محل لاڈ پیار دکھانا۔

بچوں کو سچ بولنے کی تربیت دیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے طریقۂ تربیت کا نہایت اہم حصہ یہ تھا کہ لوگوں کو سچ بولنے کا عادی بنایا جائے، اور ان کے ذہن ومزاج میں جھوٹ سے نفرت پیدا کی جائے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ایک صحیح حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے: ”سچ نیکی کی راہنمائی کرتا ہے، اور نیکی جنت کے راستہ پر چلاتی ہے، انسان سچ بولنے کی پابندی کرتا ہے تو ایک وقت وہ آتا ہے کہ وہ ’صدِّیق‘ بن جاتا ہے، جھوٹ گناہ کی راہ چلاتا ہے، اور گناہ جہنم میں لے جاتا ہے، انسان مسلسل جھوٹ بولتا ہے تو اللہ کے حضور ’کذاب‘ (بڑا جھوٹا) قرار پاتا ہے“۔ بخاری: ۶۰۹۴، مسلم: ۲۶۰۷، یہاں درج ترجمہ بخاری کے الفاظ کا ہے، جب کہ مسلم کے الفاظ میں کچھ فرق ہے۔

سچ ہی بولنے کی یہ تاکید آپ صرف قولی طور پر ہی نہیں کرتے تھے، بلکہ لوگوں کو عملی طور پر بھی اس کا پابند بناتے تھے، مثلاً ایک مرتبہ آپ کے سامنے ایک عورت نے اپنے کم سن بچہ سے کہا: ''یہاں آؤ میں تم کو کچھ دوں گی''، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تم نے اس کو کیا دینے کا ارادہ کیا ہے؟''، اس عورت نے عرض کیا: ''کھجور''، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر تم اس کو کچھ نہ دیتیں تو تمھارے حساب میں ایک جھوٹ لکھدیا جاتا''۔ (مسند احمد (تحقیق: شعیب الأنووط): ۱۵۷۰۲، محقق نے اس کو حسن لغیرہ قرار دیا ہے، سنن ابی داود: ۴۹۹۱، صحیح الجامع: ۱۳۹۱۔)

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی کسی حال میں بھی جھوٹ نہیں بولتے، یہاں تک کہ اگر کبھی صحیح بات چھپانی بھی ہوتی تو جھوٹ نہیں بولتے، ہاں توریہ سے کام لیتے، غزوۂ بدر کے لیے آپ تشریف لے جارہے تھے، راستہ میں ایک قبیلہ کی بستی سے گزر ہوا، وہاں ایک شخص نے دریافت کیا: آپ کس قبیلہ کے لوگ ہیں؟ آپ نے جنگ کی مصلحت سے اپنی شناخت ظاہر کرنی نہیں چاہی تو یہ فرمایا: ''نَحْنُ مِنْ ماء''۔

(محمد بن یوسف صالحی: السیرۃ الشامیۃ، ۴۴/۴، مطبوعہ: قاہرہ، المجلس الاعلیٰ للشؤون الاسلامیۃ)

اس جملہ کے دو مطلب ہو سکتے تھے، ایک یہ کہ ہم ساحلی علاقہ کے لوگ ہیں، اور دوسرے یہ کہ ہم پانی سے پیدا ہوئے لوگ ہیں، عربوں کے یہاں پہلے معنی متبادر تھے، جب کہ آپ نے یہ جملہ دوسرے معنی میں بطور توریہ بولا تھا، تاکہ سچ کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے اور اپنی شناخت بھی ظاہر نہ ہو، ظاہر ہے کہ تمام انسان پانی ہی سے پیدا ہوئے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالی نے بھی ارشاد فرمایا ہے: ''وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا ۔ (فرقان: ۵۴)

اور وہی ہے جس نے پانی سے انسان کو پیدا کیا، پھر اس کو نسبی اور سسرالی رشتے عطا کیے، اور تمہارا پروردگار بڑی قدرت والا ہے)۔اسی طرح کی احادیث کی بنیاد پر کسی عالم نے کہا

ہے: ''مجھے وہ شخص اچھا لگتا ہے جو جھوٹ سے بچنے کے لیے توریہ ومجاز وغیرہ کا سہارا لیتا ہے۔
(بیہقی: السنن الکبری، مطبوعہ: دار الفکر بیروت، ۱۵/ ۲۷۰)

بڑا جھوٹ سے بچے گا تو چھوٹا بھی بچے گا اسلئے بچوں سے جھوٹ نہ بولیں

جس ماحول میں بڑے جھوٹ بولنے سے احتراز نہ کریں وہاں بچے جھوٹے ہی بنیں گے، اس لیے کہ بچے بڑوں کو جو کرتا دیکھتے ہیں وہی کرتے ہیں، یہ ماحول ان کو جھوٹ بولنا ہی نہیں سکھائے گا، فریب، خیانت اور دوسروں کے حقوق نیز اپنی ذمہ داریوں کے تقاضوں کو پامال کرنے کی تربیت بھی دے گا، اس طرح یہ برائیاں انسانوں میں عام ہوتی جائیں گی، یہ وہی سماجی برائیاں ہیں جن کو آج ہم اپنے ماحول میں ہر طرف دیکھ رہے ہیں، گھر ہو کہ تعلیم گاہ، یا کوئی اور جگہ جہاں ہمارا باہم رابطہ ہوتا ہے، ہر جگہ ان برائیوں کا بول بالا ہے، لوگوں کی بڑی تعداد کا حال یہ ہے کہ وہ سچ بس کبھی کبھار استثنائی طور پر بولتے ہیں، ورنہ ان کا اصل اصول تو جھوٹ بولنا ہی ہے۔

سب سے بدترین جھوٹ ان لوگوں کا جھوٹ ہے جن کو ان کے مناصب دوسروں کا اسوہ بناتے ہیں، یا جن کو ان کے متبعین اپنا پیشوا جانتے ہیں، اور ان کے طرز عمل کی پیروی کو اپنے لیے لازم جانتے ہیں، ان میں سے کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو اسلام سے نسبت رکھتے ہیں، اور اپنے آپ کو اس کے داعیوں میں شمار کراتے ہیں، لیکن اپنے مفادات ومقاصد کے حصول کے لیے کسی وسیلہ کو اختیار کرنے سے باز نہیں آتے، خواہ وہ صریح جھوٹ ہی کیوں نہ ہو۔

ایسے لوگ دعوتِ اسلامی کے لیے سخت نقصان دہ ہوتے ہیں، لوگ یہ نہیں کہتے کہ یہ لوگ بد

اخلاق ہیں، بلکہ یہ کہتے ہیں کہ جو دعوت اپنے حاملین کو اس گندے کام سے نہیں روک سکتی اس میں کوئی خیر نہیں ہوسکتا، یعنی لوگ ان کی اس ذاتی کمی کی وجہ سے دعوتِ اسلامی سے بدگمان و بےزار ہوتے ہیں۔

ایک اور نہایت بری بات یہ ہے کہ کچھ لوگ اپنی اولاد کو صاف جھوٹ بولنے کا حکم دیتے ہیں، وہ ان سے کہتے ہیں کہ وہ وہ بیان کریں جو ہوا ہی نہیں تھا، یا جو ہوتا اپنی آنکھوں سے انھوں نے دیکھا تھا اس کا انکار کردیں، اس کے نتیجہ میں بچے جھوٹ جیسی گھنونی چیز کو معمولی جاننے لگتے ہیں، اور بچپن سے ہی اس کے عادی ہوجاتے ہیں، پھر وہ بڑے ہوتے ہیں تو لوگوں کی نگاہ میں محترم اور قابلِ اعتماد نہیں رہتے۔ اس سب کے ذمہ دار وہ والدین ہوتے ہیں جو بظاہر چھوٹی نظر آنے والی ان غلطیوں کی سنگینی کا احساس نہیں رکھتے، اور اپنی اولاد کو سب سے زیادہ سنگین اور نقصاندہ اخلاقی برائی سے متصف کردیتے ہیں۔

زمانۂ جاہلیت میں بھی جو باعزت لوگ ہوتے تھے وہ اس چیز کو کسی طور پسند نہیں کرتے تھے کہ ان کی نسبت جھوٹ کی جانب کی جائے، ہرقل کے دربار میں حضرت ابوسفیانؓ کی پیشی مشہور واقعہ ہے، اس وقت وہ اور ان کے تمام ساتھی کافر ہی تھے، ایمان نہیں لائے تھے، اس موقع پر ہرقل نے ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بابت کچھ سوالات کیے تھے، وہ کہتے ہیں کہ اگر مجھے یہ خدشہ نہ ہوتا کہ میرے ساتھی مکہ میں جاکر بتائیں گے کہ میں نے جھوٹ بولا ہے تو میں اس وقت (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں) غلط بیانی ضرور کرتا۔ (بخاری: ۷، مسلم: ۱۷۷۳)

کیا آج لوگ زمانۂ جاہلیت کے عربوں سے بھی زیادہ برا ہونا قبول کرسکتے ہیں؟

اس لیے ہمارے سامنے بس ایک ہی راہ ہے، اور وہ یہ ہے کہ ہم سچ بولنے کی اہمیت اور جھوٹ بولنے کی سنگینی کا احساس کریں اور اپنے بچوں کو سچ ہی بولنے کی تربیت دیں۔

اچھی تربیت کیلئے بچوں کو نرم مزاج بنائیں تاکہ اچھی اور خوبصورت نسل کو فروغ ہو

تربیت کے سلسلے میں 'نرم مزاجی' بھی ایک اہم اصول ہے، جس کی جانب سے بالعموم غفلت برتی جاتی ہے، والدین، نوخیز طلبا وطالبات کے تعلیمی اداروں کے اساتذہ اور بہت سے وہ پیشہ ور اور چھوٹی صنعتوں کے مالک جن کا کردار بہت سے بچوں کی تربیت میں کسی صورت والدین سے کم نہیں ہوتا اس اصول سے غفلت برتتے ہیں، جس کے نتیجہ میں معاشرہ میں وسیع پیمانہ پر بہت برے اثرات مرتب ہوتے ہیں جو طویل مدتی بھی ہوتے ہیں۔

نرم مزاجی ایک عظیم اسلامی اصول ہے، یہ ایک عام اصول ہے، جس کا دائرہ صرف بڑوں اور ان کے زیر تربیت چھوٹوں کے درمیان باہمی رویہ تک محدود نہیں ہے، بلکہ یہ اصول تمام انسانوں اور ان کے تمام افعال سے متعلق ہے۔ایک صحیح حدیث میں روایت کیا گیا ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس چند یہودی حاضر ہوئے، انھوں نے آکر 'السلام علیکم' (آپ پر سلامتی ہو) کے بجائے 'السام علیکم' (آپ کو موت آئے) کہا، حضرت عائشہ کہتی ہیں: میں ان کی حرکت سمجھ گئی، میں نے بھی جواب میں کہہ دیا: 'وعلیکم السام واللعنۃ' (تم پر موت ولعنت برسے)، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ٹھہرو عائشہ! اللہ تعالی کو ہر چیز میں نرم مزاجی پسند ہے''، حضرت عائشہ نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! آپ نے سنا نہیں کہ یہ کیا کہہ رہے ہیں؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''میں نے جواب میں کہا: وعلیکم'' (تم پر بھی)۔(بخاری: ۶۰۲۴)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ کو متوجہ فرمایا کہ ان یہودیوں کی اس بدتمیزی کا بھرپور جواب نرمی کے ساتھ بھی دیا جاسکتا ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ ہی سے مروی ایک روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے: ''اللہ تعالی نرم دل ہیں، نرم مزاجی کو پسند فرماتے ہیں، اور نرمی پر وہ نواز تے ہیں جو سختی یا کسی اور رویہ پر نہیں نوازتے''۔ مسلم: ۲۵۹۴، اسی مقام پر درج حضرت عائشہ ہی کی ایک اور روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان منقول ہے: ''نرم مزاجی جس چیز میں شامل ہوجاتی ہے اسے نکھار دیتی ہے، اور جس چیز سے نکال لی جائے اسے بدنما کر دیتی ہے''۔

حضرت ابو درداؓء سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جسے نرم مزاجی سے نواز دیا گیا اسے خیر سے نواز دیا گیا، اور جسے نرم مزاجی سے محروم کر دیا گیا اسے خیر سے محروم کر دیا گیا''۔ (صحیح سنن الترمذی للالبانی: ۲/ ۱۹۵، صحیح الجامع: ۶۰۵۵۔)

نرم مزاج مربیوں (والدین واساتذہ وغیرہ) کی نرم مزاجی کے جو بہترین نتائج برآمد ہوتے ہیں سب سے زیادہ ان سے نرم مزاجی کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔

اس سلسلے میں ایک بہت اہم بات یہ ہے کہ جس وقت ہم اپنے بچوں کی ذہانت، ان کی کامیابیوں اور ان کے اچھے کاموں پر خوش ہوتے ہیں، یا جب ہمارا بچہ ہماری اطاعت کرتا ہے یا تعلیم پر توجہ دیتا ہے اس وقت اس بات کی ضرورت نہیں ہوتی ہے کہ ہم اپنے آپ کو 'نرمی' کا اصول یاد دلائیں، اس لیے کہ ایسے وقتوں میں تو بچے کی کارکردگی یا اس کے رویہ سے خوش ہو کر 'نرمی' فطری نتیجہ ہوتی ہے۔

'نرمی' کو یاد رکھنے اور اپنے آپ کو اس کا پابند رکھنے کی اصل ضرورت اس وقت ہوتی ہے جب ہمیں اپنے بچے میں کند ذہنی، کاموں میں سستی، کم فہمی، یا اس کی حصولیابیوں میں کمی کا احساس ہوتا ہے، یا جب وہ کوئی غلطی کرتا ہے، کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے، اور منع کرنے پر بھی

باز نہیں آتا، بار بار غلطیاں دہراتا ہے۔ یہ وہ موقعے ہوتے ہیں جب بہت سے مربیوں کو غصہ آجاتا ہے، اور وہ بچے پر سختی یا اسے دھمکانے کو ہی مناسب راہِ عمل سمجھتے ہیں، تاکہ وہ (اپنے گمان میں) بچے کو دھمکا کر اس کی غفلت یا بےتوجہی سے اسے باہر نکالیں۔ چند بچوں پر بعض اوقات یہ طریقہ کارگر ثابت ہوجاتا ہے تو ایسے مربی اس کو ہر ایک کے ساتھ اور ہر وقت کا واحد کامیاب طریقہ خیال کرتے ہیں۔

یہ عصابردار مربی یہ بھول جاتے ہیں کہ بچوں اور اسی طرح بڑوں کے اندر ناپسندیدہ رویے کسی ایک ہی سبب سے نہیں پیدا ہوتے ہیں، بلکہ ان کے اسباب بے شمار ہیں، مختلف اسباب اور ان کی مختلف نوعیتوں کے پیش نظر زیرتربیت بچے یا بڑے کی غفلت، کوتاہی اور اس کے برے رویہ کے علاج بھی مختلف اور گوناگوں ہوتے ہیں۔ اور تمام حالات میں ایک ہی طریقۂ علاج پر اصرار سے فائدے تو کیا ہوتے بےشمار نقصانات کے اندیشے ہیں، ایسے مربی کا حال اس نیم حکیم جیسا ہوتا ہے جو نہایت سنگین امراض اور نزلہ زکام کا علاج ایک ہی دوا سے کرتا ہے، ایسا معالج اپنے سبھی یا اکثر مریضوں کی جان لے لیتا ہے۔

سختی شخصیت کو توڑ کر رکھ دیتی ہے، اس کا شکار انسان اپنے اوپر اعتماد کھوبیٹھتا ہے، وہ اپنے اوپر سختی کرنے والوں سے نفرت کرنے لگتا ہے، اس کے نتیجہ میں ایک ایسا بزدل انسان وجود میں آتا ہے جو ڈرتا تو ہے لیکن شرم وحیا سے عاری ہوتا ہے، وہ خوف یا لالچ کی وجہ سے باتیں مانتا ہے، شوق اور محبت کے ساتھ اطاعت نہیں کرتا، کسی بات کے صحیح ہونے کی وجہ سے اس پر عمل نہیں کرتا، بلکہ بس سزا کے ڈر سے اس پر کاربند ہوتا ہے۔

پھر جب ایسے بچے اسی ناپسندیدہ روش ورویہ کے ساتھ بڑے ہوکر ہمیں ملتے ہیں تو ہم

ایسے ہر شخص اور اس کے ہر رویہ کی مذمت کرتے ہیں، لیکن ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ ہم مسلسل بچوں کے ساتھ ناروا سختی کا برتاؤ کر کے معاشرہ میں ایسے افراد کی تعداد بڑھاتے جارہے ہیں، اور اپنے اس غلط طرز تربیت کے ذریعے ان کی زندگیاں تباہ اور برباد کررہے ہیں، ان کے بچپن میں ان کے ساتھ بے جا سختی کی ہماری روش ان کی زندگی کو ہر خوب صورت صفت سے محروم کر دیتی ہے۔

ہوسکتا ہے کہ آپ کو کوئی ایسا شخص ملے جس کی تربیت اسی سختی و سنگ دلی کے ساتھ کی گئی ہو، لیکن اس کے اندر اس کے اثرات نہ ملیں، لیکن آپ تحقیق کریں گے تو یقینا پائیں گے کہ بچپن یا نوجوانی کی عمر میں کچھ اور اسباب پائے گئے ہوں گے جن کی بدولت اس سختی و سنگ دلی کے نتائج ختم یا کم ہو گئے ہوں گے۔

کچھ بچوں اور بچیوں (بالخصوص مغربی معاشرہ میں مقیم مسلم بچوں) میں جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے وقت نافرمانی و سرکشی کا رویہ نظر آنا شروع ہوتا ہے، اس وقت ہمارے لیے تربیت کے سلسلے میں 'نرم مزاجی' بہت اہمیت حاصل کر لیتی ہے، بہت سے مربیوں کو اس حقیقت کا احساس نہیں ہو پاتا کہ بظاہر سرکشی نظر آرہا یہ رویہ درحقیقت بڑے ہو جانے کے احساس، ایک مستقل شخصیت کے مالک ہونے کی خواہش اور اپنی صلاحیتوں پر اعتماد کا ایک (ناروا) مظہر ہے، اس لیے اس بات کی ضرورت ہے کہ ایسے بچے پر بہت توجہ دی جائے، اس کے ساتھ پیار بھرا سلوک کیا جائے، اس کا بہت خیال رکھا جائے، اور مناسب انداز میں اس کی راہنمائی کی جائے، ایسے بچوں کے ساتھ اس سلوک کے بہت شاندار اور نہایت خوش کن نتائج برآمد ہوتے ہیں، جن سے ان کے والدین اور مربیوں کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں، اور یہ بچے ان کے لیے مایۂ فخر و ناز ثابت ہوتے ہیں۔

اگر ہم اِن بچوں کے اندر نظر آرہے اس رویہ کے مظاہر کا (جو حقیقت میں مثبت بھی ہوسکتے ہیں) سخت مزاجی کے ساتھ علاج کرنا چاہیں گے، اور نوجوانوں کو ان کی رائے ونقطۂ نظر سنے بغیر اپنی صوابدید کا بالجبر پابند بنانا چاہیں گے تو ہم امت کے لیے انسانوں کی اگلی نسل تیار نہیں کریں گے، بلکہ ہمارے یہاں پرورش پائے بچے مستقبل میں تربیت یافتہ بندروں اور مانوس جانوروں کے مانند ہوں گے...... اور جس امت کے افراد ایسے ہوں اس کی ناکامی ونامرادی میں کیا شبہ ہے۔

کسی بچے یا نوجوان کو ہم ایک غلطی پر ٹوک چکے ہوتے ہیں، اسے اس سے باز رہنے کی تاکید کر چکے ہوتے ہیں، دوبارہ ایسا نہ کرنے کی ہدایت دے چکے ہوتے ہیں، لیکن وہ بچہ بار بار اسی غلطی کا ارتکاب کرتا جاتا ہے، ایسی صورت میں کچھ مربیوں کا غصہ آسمان پر جا پہنچتا ہے، انھیں لگتا ہے کہ اب سوائے پٹائی کے کوئی چارۂ کار نہیں بچا ہے، بس پٹائی کرکے ہی اسے سیدھی راہ پر لایا جاسکتا ہے، وہ احساس نہیں کرپاتے کہ پٹائی اس بچہ کی شخصیت کو مزید نقصان ہی پہنچائے گی، اسے توڑ کر بکھیر دے گی، لیکن اس کی اصلاح وتربیت یوں نہ ہوسکے گی۔ غصہ کی شدت اس مربی کی عقل وفراست پر غالب آجاتی ہے، وہ بھول جاتا ہے کہ ایسے مواقع پر وقار وبردباری جوش وغصہ سے کہیں بہتر ہے۔ ایسے موقع پر اگر مربی بچہ کے رخ اور رویہ میں آنے والی اس تبدیلی وکجی پر سنجیدہ غور وفکر کریں اور پھر محبت وشفقت کے ساتھ کوشش کریں تو زندگی کے مسائل پر قابو حاصل کرنے میں بچے کی مدد کرسکیں، اس سلسلے میں وہ ہر وہ راہ اختیار کرسکتے ہیں جو حدیث نبوی میں بیان کردہ اس صحیح اسلامی اصول سے ہم آہنگ ہو: ''اللہ تعالی نرمی پر وہ نوازتے ہیں جو سختی پر نہیں نوازتے''، یہ اصول حضرت عائشہ کی ایک روایت میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کے طور پر منقول ہے: ''نرم مزاجی جس چیز میں شامل ہو جاتی ہے اسے نکھار دیتی ہے، اور جس چیز سے نکال لی جائے اسے بدنما کر دیتی ہے''۔ (مسلم: ۲۵۹۴)

یہ 'نکھارنا' اور 'بدنما بنانا' اپنے ظاہری معنی میں نہیں ہے، یعنی نظر کو بھانا اور نہ بھانا اس سے مراد نہیں ہے، بلکہ یہ الفاظ یہاں معنوی و جوہری خوب صورتی و بدصورتی کے معنی میں استعمال ہوئے ہیں، جن کی بنیاد پر اہل عقل کسی چیز کو محبوب جان کر قبول کرتے ہیں یا ناپسندیدہ مان کر اس سے اجتناب کرتے ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقۂ تربیت میں نرم مزاجی کی صورتیں بے شمار اور ان کا تنوع لامحدود ہیں، چھوٹا ہوتا کہ بڑا، اطاعت گزار ہوتا کہ گناہ گار، قریبی ہوتا کہ دور کا، عالم ہوتا کہ جاہل، دشمن ہوتا کہ دوست، عبادت کے باب میں غلطی کا مرتکب ہوتا یا عادت سے متعلق امور میں...... ہر ایک کی تربیت و اصلاح وہاں نرم مزاجی سے ہی کی جاتی، اور اس لیے یہ کہنا کچھ غلط نہیں کہ تربیت کے باب میں آپ کا طریق اور اسوہ بہر صورت نرم مزاجی ہی تھی...... اسی نرمی سے آپ نے وہ ربانی نسل تیار کر دی تھی جس کے مردوں اور عورتوں نے پوری دنیا میں اسلام کے نور اور اس کی ہدایت کو عام کر دیا تھا۔

بچوں پر شفقت اور مہربانی سے ان کے اندر خوبیاں پیدا ہوں گی اور برائیاں دور ہونگی

'شفقت و مہربانی' بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقۂ تربیت کے ان اہم اصولوں میں سے ایک ہے جن کی جانب بہت سے مربیوں کا ذہن نہیں جاتا، اور جن کا تذکرہ تعلیم و تربیت کے اداروں و شعبوں میں شاذ و نادر ہی سننے کو ملتا ہے۔

'شفقت ومہربانی' ان اہم ترین اخلاق نبوی میں شامل ہے جس کے مظاہر آپ ﷺ کی پوری زندگی میں واضح طور پر محسوس کیے جاسکتے ہیں، حضرت مالک بن الحویرث ؓ سے مروی صحیح حدیث میں ہے: ''ہم چند ہم عمر نوجوان آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ہم نے بیس دن قیام کیا، آپ کو خیال ہوا کہ اتنے دنوں میں ہمیں اپنے اہل وعیال کی یاد آرہی ہوگی، آپ نے ہم سے دریافت فرمایا کہ ہم اپنے پیچھے گھر میں کس کس کو چھوڑ کر آئے ہیں؟ ہم نے آپ کے سوال کا جواب دیا، آپ نہایت نرم دل ومہربان تھے، آپ نے فرمایا: اب تم سب اپنے اپنے گھر واپس چلے جاؤ، ان کو دین کی تعلیم دو، نیکیوں کا حکم دو، اور مجھے جس طرح نماز پڑھتے دیکھا ہے اسی طرح نماز پڑھتے رہنا، جب بھی نماز کا وقت ہو تم میں سے کوئی اذان دے دے، اور جو عمر میں بڑا ہو وہ نماز پڑھا دے''۔ (صحیح بخاری: ۶۰۰۸)

ایک بار کا ذکر ہے کہ ایک اعرابی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے آپ سے کہا: '' آپ لوگ بچوں کو بوسہ دیتے ہیں؟ ہم تو نہیں دیتے''۔ آپ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا: ''اگر اللہ نے تمہارے دل سے محبت وشفقت کا عنصر نکال لیا ہو تو میں کیا کروں''۔

(بخاری: ۵۹۹۸، مسلم: ۲۳۱۷)

اقرع بن حابس تمیمی ؓ کا شمار معززینِ عرب میں ہوتا تھا، وہ اسلام لائے تو انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ: ''میرے دس بچے ہیں، آج تک ان میں سے کسی ایک کو بھی میں نے بوسہ نہیں دیا ہے''، آپ نے حیرت سے ان کو دیکھا، اور پھر فرمایا: ''جو دوسروں کے ساتھ مہربانی سے پیش نہیں آتا، اس کے ساتھ بھی رحم نہیں کیا جاتا''۔ (بخاری: ۵۹۹۷، مسلم: ۲۳۱۸)

بخاری ومسلم کی روایت کردہ ایک اور روایت میں حضرت ابو قتادہ کا یہ بیان روایت کیا گیا

ہے کہ: ''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس آئے، امامہ بنت ابی العاص آپ کے کاندھے پر تھیں، اسی حال میں آپ نے نماز پڑھی، رکوع کرتے وقت ان کو اتار دیتے، اور اٹھتے تو دوبارہ ان کو اٹھا لیتے''۔ (بخاری: ۵۹۹۶، مسلم: ۵۴۳)

شارحین نے لکھا ہے کہ اس حدیث میں بیان کردہ واقعہ سے ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اپنی اولاد کے ساتھ شفقت ومحبت کا بہت عجیب وغریب رنگ نظر آتا ہے، خیال رہے کہ امامہ بنت ابی العاص آپ کی نواسی تھیں، ان کی والدہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب تھیں، اور اولاد کی اولاد بھی اولاد ہی کے زمرے میں آتی ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قولی وعملی سنت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی 'شفقت ومہربانی' کے مظاہر سے بھری ہوئی ہے، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تربیت کے سلسلے میں اس کی رعایت کس قدر اہم ہے۔

یہ 'شفقت ومہربانی' صرف انسان کی اپنی ایک اچھی اخلاقی خصلت، یا (اللہ کی رضا کے بعد) بندوں کی نگاہ میں مقبول ہونے کا ایک وسیلہ ہی نہیں ہے بلکہ یہ ایک نہایت مفید ونتیجہ خیز اصولِ تربیت ہے، جو اپنے زیر سایہ پروان چڑھنے والے نوجوانوں میں نہایت مبارک اثرات چھوڑتی ہے۔

'شفقت ومہربانی' کی فضا میں پروان چڑھے افراد بڑے ہونے کے بعد دوسروں کو محبتیں بانٹتے ہیں، اور خود بھی لوگوں کی نگاہ میں محبوب قرار پاتے ہیں، وہ آپ سے نہایت خوش روئی وخندہ پیشانی کے ساتھ ملتے ہیں، تو آپ بھی ان کی جانب شوق اور خوشی کے ساتھ متوجہ ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ رشتہ داروں کے حقوق ادا کرتے ہیں، ان کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں، رشتے نبھاتے ہیں، اس لیے کہ اسی ماحول میں وہ پروان چڑھے ہوتے ہیں۔

یہ لوگ اپنے کسی دوست اور ساتھی کے ساتھ سختی کے ساتھ پیش نہیں آتے ہیں، بلکہ لوگوں کے لیے عذر تلاش کرتے ہیں، اور تعلق شکنی سے پہلے ہزار بار تعلقات نبھانے کی کوشش کرتے ہیں۔

محبت وشفقت کے ماحول میں پروان چڑھے یہ لوگ اگر قیادت وسیادت کا منصب پاتے ہیں تو ان کے ماتحت ان کو اپنا ہی محسوس کرتے ہیں، وہ دیکھتے ہیں کہ ایسے لوگ ان کے لیے وہی پسند کرتے ہیں جو اپنے لیے پسند کرتے ہیں، اسی وجہ سے ایسے لوگ اپنے کاموں میں بہت کامیاب، اپنے منصوبوں کو بہت آگے لے جانے والے اور ان لوگوں پر بہت مثبت اثرات ڈالنے والے ثابت ہوتے ہیں جن کے ساتھ ان کا واسطہ پڑتا ہے۔

ایسے لوگ بالعموم حس لطیف، ذوق سلیم، صحیح فکر اور مطمئن نفوس کے حامل ہوتے ہیں، اور یہ سب چیزیں مشکلات وصبر آزما وقتوں میں انسان کے لیے بڑی معاون ثابت ہوتی ہیں، انسان کے ساتھ خواہ کیسے ہی شدید صبر آزما حالات کیوں نہ پیش آجائیں وہ رحمت خداوندی کو اپنے آپ سے قریب تر پاتا ہے، اور ہر حال میں خیر کی امید اس کو مطمئن رکھتی ہے۔

شفقت ورحم دلی کے زیر سایہ پروان چڑھے ایسے لوگوں کو آپ جود وسخا سے متصف اور بخل وخودغرضی جیسی صفات سے محفوظ پائیں گے، آپ دیکھیں گے کہ ایسے لوگ خود کا نقصان برداشت کر کے بھی دوسروں کو فائدہ پہنچاتے ہیں، اللہ کی طرف سے ملی ہوئی نعمتوں میں محتاجوں کا حق مانتے ہیں، اپنی ضروریات سے زائد رقم، بلکہ بسا اوقات اپنی ضرورتوں سے صرف نظر کر کے والدین، اعزہ واقارب، دوستوں، پڑوسیوں اور دیگر حق داروں کے لیے خرچ کر دیتے ہیں، وہ اسے دوسروں کے حقوق اور اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی ہی خیال کرتے ہیں، یہ جذبہ ان کے اندر اس ماحول کا پیدا کردہ ہوتا ہے جس میں یہ پروان چڑھے ہوتے

ہیں، اس ماحول میں انھوں نے ہر سو محبت، شفقت اور رحم دلی کو دیکھا ہوتا ہے، بچپن کا یہ ماحول ہی ان کے اندر سختی و درشتی سے دوری پیدا کرتا ہے۔

جس کے دل سے شفقت و رحم دلی کے جذبات نکال لیے جائیں وہ بڑا محروم اور بد بخت ہی ہوتا ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ایک ارشاد ہے: ''زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا''، ایک اور روایت میں آپ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے: ''اللہ تعالی اپنے بندوں میں سے رحم دلوں پر ہی رحم فرماتا ہے''۔ (صحیح الجامع الصغیر، للالبانی: ۸۹۶، ۲۳۸۱)

صحیح بخاری کی روایت ہے: ''جو رحم نہیں کرتے ہیں ان پر رحم نہیں کیا جاتا ہے''۔

(صحیح الجامع الصغیر، للالبانی: ۶۰۱۳)

جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا اس پر اللہ رحم نہیں کرتا ہے''۔ (صحیح الجامع الصغیر، للالبانی: ۶۰۷۳)

مربیوں (بالخصوص والدین اور مختلف نوعیت وسطح کے تعلیمی اداروں میں موجود طلبا کی تربیت کے ذمہ داروں) کی ذمہ داری ہے کہ وہ تربیت کے سلسلے میں 'شفقت و رحم دلی' کی اہمیت اور انسانی شخصیت کی تعمیر میں اس کے عظیم اثرات کو سمجھیں، اور یہ جانیں کہ جو زیر تربیت بچے مہر و محبت سے محروم رہتے ہیں ان کے اندر سخت مزاجی و سنگ دلی جیسی تباہ کن صفات پیدا ہونے کا خطرہ رہتا ہے۔

مربی زیر تربیت بچے یا فرد سے جتنی محبت کرتا ہے اس کے ساتھ اتنی ہی رحم دلی کے ساتھ پیش آتا ہے، محبت کے بغیر وہ اپنے زیر تربیت بچوں کو ذرہ برابر بھی نفع نہیں پہنچا سکتا ہے، اس لیے کہ انسانی نفوس نہایت حساس ہوتے ہیں، وہ دوسرے انسان کی باتوں کا اثر اس کے جذبات کے مطابق ہی قبول کرتے ہیں، ایک شفیق و مہربان شخص کی باتیں انسانوں پر جلد اور

مفید اثرات ڈالتی ہیں، دوسری طرف اگر کوئی شخص نفرت کرتا ہے، یا بے دلی کے ساتھ اپنا فرض نبھاتا ہے، یا بے پروا ہوتا ہے تو اس کی باتیں یا تو دل تک پہنچتی ہی نہیں ہیں، اور اگر پہنچتی بھی ہیں تو نفع بخش نہیں ہوتیں، بلکہ بسا اوقات ایسے شخص کی باتیں الٹی نقصاندہ ہی ثابت ہوتی ہیں، جن پر بسا اقات اس شخص کو تب افسوس ہوتا ہے جب افسوس کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا، قیامت کے روز اس شخص کو اپنے اس رویہ کا جواب بھی دینا ہوگا، اس لیے کہ اس دن ہر شخص سے یہ سوال ہوگا کہ اس نے اپنے ماتحتوں کے ساتھ کیسا سلوک روا رکھا تھا؟ اور ان کے تیئں اپنی ذمہ داریاں کس طور ادا کی تھیں؟ اگر اس نے اپنے ماتحتوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا ہوگا تو اس کو اپنے عمل سے کہیں بہتر بدلہ ملے گا، اور اگر برا سلوک کیا ہوگا تو اس کی تمنا یہ ہوگی کہ اس سے اس بابت سوال نہ ہو، اور اس کی سزا سے بھی وہ محفوظ رہے۔

پورے معاشرہ کی یہ ذمہ داری ہے کہ معاشرے کے ہر فرد و طبقہ میں رحمدلی کا مزاج پیدا کرنے کی کوشش کرے، اس لیے کہ قرآن کے بیان کے مطابق کامل مومن وہی ہیں جو ''ایک دوسرے کو ثابت قدمی و رحمدلی کی تلقین کریں۔ (بلد:۱۷)

قیامت کے دن یہی لوگ نصیبہ ور ہوں گے۔ (بلد:۱۷)

صالح تربیت کی اولین ذمہ داری گو کہ والدین، اساتذہ اور ان جیسے ان افراد پر ہوتی ہے جن سے تربیت براہ راست متعلق ہوتی ہے، لیکن معاشرے کے تمام ادارے اور مقتدر و موثر افراد بھی تربیت کے ذمہ دار ہوتے ہیں، اس لیے کہ لوگوں پر ان کے کردار و رویوں کا بڑا اثر پڑتا ہے، عوام کے لیے یہ افراد اسوہ اور نمونہ ہوتے ہیں، عام عوام کے علاوہ ایک بڑی تعداد ان سے براہ راست متعلق ہوتی ہے، ان پر تو ان کے اثرات اور بھی زیادہ ہوتے ہیں، معاشرہ

میں ممتاز حیثیت کے مالک سمجھے جانے والے ان لوگوں کے اثرات معاشرہ کے افراد تک حیرت ناک تیز رفتاری کے ساتھ منتقل ہوتے ہیں، عربوں کے یہاں معروف ضرب المثل ''لوگ اپنے حکم رانوں کے طریق پر ہوتے ہیں'' کو انسانی تجربہ نے بالکل صحیح ثابت کر دیا ہے، اسی لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: ''لوگوں کا امیر ان کا ذمہ دار ہے، اور ان کی بابت جواب دہ ہے''۔ (بخاری: ۸۹۳، مسلم: ۱۸۲۹)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں کے ذریعہ بچوں کی تربیت کیلئے اس کو بہادری اور جرأت کا سبق سکھائیں

تربیت کے اسلامی منہج کا ایک اہم اصول یہ ہے کہ بچے کو بہادری اور حق کے سلسلے میں جرات کا سبق پڑھایا جائے۔

ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں کچھ معززین حاضر خدمت تھے، آپ کی دائیں جانب ایک کم سن بچہ بیٹھا تھا، مہمانوں کے لیے دودھ آیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بچے سے دریافت کیا: کیا تم مجھے اس کی اجازت دیتے ہو کہ میں تم سے پہلے دودھ کا پیالہ ان کو دوں؟ وہ بچہ بولا: ''نہیں یا رسول اللہ! بخدا میں آپ سے وابستہ اپنی اس سعادت کی قربانی کسی اور کی خاطر نہیں دوں گا''، اس حدیث کے راوی صحابی حضرت سہل بن سعدؓ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ پیالہ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ (بخاری: ۲۳۵۱، مسلم: ۲۰۳۰)

ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص اس روایت پر سرسری نظر ڈال کر آگے بڑھ جائے، کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مہمانوں کو ایک دودھ کا پیالہ پیش کیا گیا تو اس میں کیا خاص بات ہے؟ لیکن اگر

کوئی شخص اس حدیث پر غور کرے گا تو اس میں انسانوں اور قوموں کی تربیت کے سلسلے میں نہایت اہم راہنمائیاں پائے گا۔

اس حدیث سے ہمیں جو پہلا درس ملتا ہے وہ یہ ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دائیں جانب بیٹھے ہوئے بچے کی کمسنی کے باوجود سب سے پہلے دودھ پینے کے اس کے حق کا پاس رکھا، اس کی کمسنی کی وجہ سے یا مجلس میں حاضر دیگر لوگوں کے مقام کی وجہ سے اس کے اس حق سے صرف نظر نہیں کیا، اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ حق مستحق کو ہی ملنا چاہیے، اس سلسلے میں یہ نہیں دیکھنا چاہیے کہ مستحق کس حیثیت کا ہے؟ اور اس کے حق کی ادائیگی سے اگر کوئی تکلیف محسوس کر رہا ہے تو وہ کس سطح کا ہے؟۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اختیار کردہ اس طرزِ عمل سے بچے کی یہ تربیت بھی ہوتی ہے کہ اسے اپنے حقوق کا علم بھی ہونا چاہیے، اگر کوئی اس کے حق کو در خور اعتنا نہ جانے تو اسے یہ صورت حال قبول نہیں ہونی چاہیے، خواہ ایسا کسی اس سے عمر دراز شخص کے اکرام کے نام پر ہی کیوں نہ کیا جا رہا ہو، اس حدیث میں بڑوں کے لیے بھی یہ درس ہے کہ ان کی عمر انھیں کسی ایسی چیز کا حق دار نہیں بنا دیتی ہے جو ان کا حق نہیں ہے۔

اس حدیث سے تیسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس امت کے بچوں کی تربیت میں بچپن سے ہی جرات اور حوصلہ مندی جیسی صفات پیدا کرنے کا بہت خیال رکھا جاتا تھا، اس بچہ کی خواہش تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فوراً بعد برتن سے دودھ پینے کی سعادت اسے حاصل ہو، اور اس کی نشست اس خواہش کی تکمیل کو اس کا حق بناتی تھی کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دائیں جانب بیٹھا تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت یہ تھی کہ مجلس میں کھانے پینے کو کچھ آتا تو آپ اس کا آغاز اپنے دائیں جانب سے کرتے، اس نے یہ تسلیم نہیں کیا کہ وہ اپنے اس حق سے دستبردار

ہوجائے، اس کے سامنے جولوگ تھے اور جنھیں دودھ پینا تھا وہ معاشرہ کے معزز ترین لوگ تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مہمان تھے، پھر بھی اس نے بے خوف و بلا جھجھک اپنی بات کہی، اور اس کی اس روش پر اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روکا نہ اس کی سرزنش کی، بلکہ اسے مہمانوں سے پہلے دودھ کا پیالہ دیا، کہاں یہ تربیت!!! اور کہاں ہمارے یہاں کی جانے والی وہ تربیت جس میں ہر بڑے سے ڈرنے کی تعلیم دی جاتی ہے!!!۔ کہاں ایک بچے کے ساتھ یہ معاملہ!!! اور کہاں اپنے بچوں کے ساتھ ہمارا معاملہ!!! ہم تو بچوں کے ساتھ ایسے معاملہ کرتے ہیں کہ جیسے وہ کچھ جانتے اور سمجھتے ہی نہ ہوں، ہمارے یہاں تو چھوٹوں سے یہ مطالبہ کیا جاتا ہے کہ بڑے جو کہہ دیں اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا جائے، اس کے سلسلے میں کچھ پوچھنے اور سمجھنے کا حق بھی بچے کو نہیں دیا جاتا، ہمارا مطالبہ یہ ہوتا ہے کہ بڑوں کی ہر بات پر عمل کیا جائے خواہ اس کی حکمت اور اس کا نتیجہ انھیں معلوم ہو یا نہ ہو۔

یہ بچہ جس نسل سے تعلق رکھتا تھا اس کی تربیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی مجلسوں، جنگوں اور سفروں میں کی تھی، ان کے اندر آپ نے جرات و بہادری پیدا کی تھی، اسی تربیت کا فیض تھا کہ اس نسل نے دنیا تک اسلام پہنچایا، اور اسلام کے ذریعے دنیا کی قیادت کی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس طرز تربیت سے فیض یافتہ یہ وہ نسل تھی کہ جب کبھی حضرت عمرؓ کے سامنے کوئی مشکل صورت حال درپیش ہوتی تو وہ، باوجودیکہ عظیم شخصیت کے مالک تھے، اس نسل کے افراد سے رجوع کرتے، اور ان کی عقل سے فائدہ اٹھاتے۔

بچوں کو عیش پسندی کا عادی نہ بنائیں ورنہ وہ معاشرے کا فضول حصہ بن جائیں گے

افراد ہوں کہ اقوام، خوشحالی کسی کے ساتھ ہمیشہ نہیں رہتی، خوشحال قومیں جدوجہد بھری زندگی

نہیں گزار پاتیں، حالاتِ زمانہ سے نبرد آزما ہونے اور وقت کا دھارا تبدیل کردینے کی صلاحیت بالعموم ان میں نہیں پائی جاتی۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کی تربیت میں بہادری، سادگی اور مشکلات کو برداشت کرنے جیسے امور کا بہت خیال رکھتے، خوش عیشی، سامانِ راحت اور تکلفات سے بھرپور طرز زندگی اختیار کرنے سے روکتے، اس لیے کہ آپ جانتے تھے کہ اس طرزِ زندگی کے افراد و معاشروں پر کیسے نقصاندہ اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

تربیت نبوی کے اسالیب پر غور کریں تو ہمیں اس کے بہت دلائل ملتے ہیں، اسی کے پیش نظر آپ نے مردوں کے لیے سونے اور ریشم کے استعمال کی ممانعت کی، نازک مزاجی ولباس میں عورتوں کی مشابہت سے مردوں کو روکا، مرد کو اظہار فخر و ناز کے لیے کپڑا لٹکا کر چلنے سے منع کیا، اور اس کی بابت سخت ترین آگاہی دیتے ہوئے کہا: ''جو مرد اپنے لباس کو فخر و ناز میں لٹکا کر چلے گا اللہ اس کی جانب نظر کرم نہیں فرمائے گا''۔ (بخاری: ۵۷۸۳، مسلم: ۲۰۸۵)

اسی طرح ایک روایت میں آپ سے ایسے شخص کے لیے مغفرت کی بشارت منقول ہے جو دن بھر کام کر کے شام کو تھک جائے۔ یہ روایت طبرانی اور ابن عسکر نے نقل کی ہے، حافظ عراقی اور حافظ ہیثمی نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ (ملاحظہ ہو: فیض القدیر، مناوی: ۶/۸۸)

یہ احادیث اور ذخیرۂ احادیث میں موجود ایسی بہت سی احادیث اس بے جا خشکی اور مصنوعی تقوے کا مطالبہ نہیں کرتی ہیں جو ہمیں کچھ اسلام کے حقیقی علم سے بے بہرہ اور اس کے صحیح فہم سے محروم مسلمانوں اور داعیوں کے یہاں نظر آتا ہے، بسا اوقات ایسے لوگ سادہ لوح ہوتے ہیں، اور اچھی نیت رکھتے ہیں، لیکن اسی غلط طرز فکر کی وجہ سے بہت سے لوگ ان داعیوں سے دور بھاگتے ہیں جن کی دعوت لباس، آدابِ خورد و نوش اور ظاہری امور تک محدود

رہتی ہے۔ اگر ان اوران جیسی احادیث کو صحیح طور پر برتا جائے، یعنی ان کے سلسلے میں یہ حقیقت ذہن میں رہے کہ یہ امت کی رہ نمائی نفع بخش طرز وطریقہ کی جانب کرتی ہیں، مربی مردوں اور عورتوں کو ان اصولوں کی جانب متوجہ کرتی ہیں جن کے مطابق اگلی نسلوں کی پرورش ہونی چاہیے، تعلیمی منصوبوں، نظاموں اور نصابوں کو، بلکہ ورزش، تربیت اور سیاست سے متعلق خاکوں کو ترتیب دینے والوں کے لیے ان صفات کو واضح کرتی ہیں جو ایک مسلمان کے اندر ہونی چاہییں، یعنی: مردانگی لیکن کرختگی نہیں، سادگی پسندی لیکن بداخلاقی نہیں، ناپسندیدہ امور پر صبر، ادب لیکن بے حیائی سے پرہیز، ہر حق والے کے حقوق کی ادائیگی کے ساتھ اللہ کی نعمتوں کا استعمال، اگر ان حدیثوں سے ان کی یہ حقیقی راہ نمائیاں حاصل کی جائیں تو یہ احادیث اگلی نسلوں کو پچھلی نسلوں کے مقابلہ میں زیادہ اچھا ومفید بنانے میں اہم کردار ادا کریں گی۔

بچوں کو مخلصانہ محبت کی تعلیم دیں وہ سب کے محبوب ہو جائیں گے

مردانگی، سادگی، جرات وشجاعت کی تربیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انسان ایسا خشک ہو جائے کہ کسی سے محبت ہی نہ کرے، ایسا سخت دل ہو جائے کہ کسی کے لیے اس کا دل پسیجے ہی نہیں۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ اسلامی تربیت کا فیض یافتہ مسلمان ایسی شخصیت کا مالک ہوتا ہے کہ لوگ اس سے ملنے کے مشتاق ہوتے ہیں، اس کی گفتگو کو غور سے سنتے ہیں، اس کی خیر خواہی اور اس کی مخلصانہ محبت پر اطمینان رکھتے ہیں۔ اسی لیے وہ کچھ بولتا ہے تو لوگ اس کے لیے ہمہ تن گوش ہو جاتے ہیں، وہ کسی بات کی دعوت دیتا ہے تو اس کی صدا پر لبیک کہتے ہیں، اپنے ذاتی نازک معاملات میں اس پر اطمینان کرتے ہیں، وہ آجائے تو مثلِ پروانہ اس کے گرد جمع رہتے ہیں، نہ ملے تو اس کے منتظر رہتے ہیں۔

دوسری طرف دنیا میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ لوگ ان سے ملنا ہی نہیں ان کا نام لینا گوارا نہیں کرتے، انھیں سخت مزاج، متکبر اور بداخلاق جانتے ہیں، کوئی ان سے محبت نہیں کرتا، کسی مجلس میں جا پہنچیں تو لوگوں کو ان کا وجود نا گوار گزرے، نہ آئیں تو لوگ شکر منائیں، اس لیے کہ وہ ہر ایک سے بداخلاقی، بدسلوکی اور تکبر کے ساتھ پیش آتے ہیں، یقینا ایسا انسان اللہ اور اللہ کے بندوں کی نگاہ میں قابلِ مذمت و ناپسندیدہ ہے۔

مربیوں کے اقوال و افعال بچوں اور نوجوانوں کے اخلاق پر بہت اثر ڈالتے ہیں، مثبت بھی اور منفی بھی، جس مربی کے اقوال و افعال مثبت اثرات ڈالیں وہ اپنے زیر تربیت فرد کی ہر نیکی میں شریک اور اس پر ثواب کا مستحق ہے، لیکن جو مربی اپنے برے اقوال و افعال سے بچے یا نوجوان پر غلط اثرات ڈالے، اس کے اندر برائیاں پیدا کرے تو ایسا مربی اس بچے یا نوجوان کی برائیوں کا ذمہ دار اور گناہ گار ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کا کیا کہنا؟ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابِ پاک میں فرمایا تھا: ''وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ''۔ (آل عمران:۱۵۹)

اگر تم سخت دل اور سخت مزاج ہوتے تو یہ لوگ تم سے دور ہو جاتے)، اور آپ کو ایسے طریقہ کی راہنمائی کی تھی جس کے ذریعے آپ کی شخصیت اپنے صحابہ و متبعین کی نگاہ میں مزید محبوب و دلربا بنے، ارشاد فرمایا تھا: ''وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ'' (حجر:۸۸)

(اور جو لوگ ایمان لے آئے ہیں ان کے لیے اپنی شفقت کا بازو پھیلا دو)۔

اہل ایمان کی باہمی محبت، جس کا وہ ایک دوسرے سے اظہار کریں یا نہ کریں، اللہ کی خاطر

کی جانے والی اس محبت کا ایک مظہر ہے جو مومنین کو ایک لڑی میں پروتی ہے، اور جوان کا اس دنیا میں امتیازی وصف ہے، مومنین کے علاوہ اس دنیا میں جتنے لوگ بھی بستے ہیں ان کی لوگوں سے محبت دنیوی منافع، ذاتی خواہشات یا فطری رجحانات کی وجہ سے ہوتی ہے، جب کہ اہل ایمان کے یہاں لوگوں سے محبت اللہ کی خاطر ہوتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کو اس کی تاکید فرماتے رہتے تھے، مثلاً حضرت ابوذرؓ سے آپ نے فرمایا تھا: ''کسی نیکی کو حقیر مت جاننا، کسی شخص سے مسکرا کر ملنے کو بھی''۔ (مسلم:۲۶۲۶)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کو خوش کلامی اور نرم گفتاری کی تاکید فرماتے، بتاتے کہ یہ جہنم سے نجات دلانے والا عمل ہے، ایک مرتبہ فرمایا: ''جہنم کی آگ سے بچنے کی کوشش کرو، زیادہ کچھ نہ کر سکو تو کھجور کا ایک ٹکڑا ہی صدقہ کر دو، جو اس کی بھی گنجائش نہ پائے اسے یاد رکھنا چاہیے کہ اچھی گفتگو بھی جہنم کی آگ سے بچاتی ہے''۔ (بخاری:۶۵۴۰، مسلم:۱۰۱۶)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اچھی اور نرم گفتگو کو باعث ثواب واجر بتایا ہے، آپ کی حدیث ہے: ''اچھی گفتگو ایک نیکی ہے''۔ (بخاری:۲۸۹۱، ۲۹۸۹)

ہمیں تربیت کے ان اصولوں کو سمجھنا چاہئے، اپنی اولاد کو ان اسلامی اخلاق سے آراستہ کرنے کی کوشش کرنی چاہئے جو عظیم قومیں تشکیل دیتے ہیں، یہ اخلاق ہیں: ہمت، بہادری، حق کی خاطر جرات، محبت، خیر کے کاموں میں تعاون، استطاعت ہو تو ایسے کاموں کو انجام دینا، اچھے کاموں کو انجام دینے سے قاصر ہوں تو کم از کم اچھی گفتگو۔ عربوں کے یہاں یہ زریں قولِ حکمت بہت معروف رہا ہے: ''نیکی کمانے کا طریقہ بہت آسان ہے: خنداں پیشانی اور نرم گفتاری''۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں چیزیں کچھ مشکل نہیں۔

اولاد کی تربیت: چند اہم گوشے

تربیت اولاد کے مختلف پہلو ہیں۔ اولاد کی تربیت کا آغاز کب سے ہو؟ تربیت کس طرح سے ہو؟ اصولی و عملی پہلو کیا ہیں، تربیت کی ذمہ داری کس کی ہے؟ صرف ماں کی یا باپ کی بھی؟، تربیت کا عمل کب تک؟ ان مختلف پہلوؤں پر غور کرنے سے پہلے اس بات کا جائزہ ضروری ہے کہ اولاد کے سلسلے میں ہمارا تصور کیا ہے۔

اولاد، اللہ کی نعمت ہے، رحمت ہے، حصول جنت کا ذریعہ ہے یہ ایک مومنانہ طرز فکر ہے۔ بدقسمتی سے آج یہ ذہن نہیں رہا۔ چاہے ہم زبان سے نہ کہیں لیکن ہمارا عمل بتاتا ہے کہ یہ ہمارے لیے بوجھ ہے۔ ایام جاہلیت میں اولاد کو پیدا ہونے کے بعد مار دیا جاتا تھا بالخصوص لڑکیوں کو۔ آج زمانے نے ترقی کی ہے۔ سائنس اور ٹکنالوجی کا دور ہے۔ اولاد کو پیدا ہونے سے پہلے ہی ٹھکانے لگانے کا فن لوگوں نے سیکھ لیا ہے۔ قرآن نے کہا: **اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا**۔ (بنی اسرائیل ۳۱)

''اولاد کا قتل درحقیقت بہت بڑا گناہ ہے'' یہ بڑا گناہ آج بہت ہلکا ہو گیا ہے، بلکہ اس کے گناہ ہونے کا تصور ہی ذہن سے نکل گیا ہے۔ ایام جاہلیت میں اولاد کے قتل کی وجوہ بیان کرتے ہوئے قرآن نے کہا: **وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَ اِيَّاكُمْ**۔ (بنی اسرائیل ۳۱)

اپنی اولاد کو مفلسی کے اندیشے سے قتل نہ کرو ہم تمھیں بھی رزق دیں گے اور انہیں بھی'' آج رزق کی فراوانی ہونے کے باوجود قتل اولاد کا سلسلہ جاری ہے۔ فیملی پلاننگ کی خوبصورت مگر خطرناک اصطلاح کے دام فریب میں لوگ آ گئے ہیں۔ عیش و عشرت کی زندگی گزارنے کا

مزاج پروان چڑھا ہے، یہ تصور عام ہوا ہے کہ اولاد کم ہوگی تو زندگی معیاری ہوگی۔ زیادہ بچے ہوں گے، ان کے شور و ہنگامے ہمارے عیش و آرام میں خلل ڈالیں گے۔ جو جتنا زیادہ مالدار ہے۔اس کے ہاں اتنی ہی اولاد کم ہے۔

آج بھی غریبوں کے ہاں اولاد کی کثرت ہے۔ ہمارے باپ دادا نے غربت کی حالت میں آٹھ آٹھ، دس دس، بچوں کی پرورش کی۔ آج دو تین بچوں کی پرورش بھی ہمارے لیے مشکل ہوگئی ہے۔ اولاد کو پیدا ہونے سے روکنے کے لیے جو غیر فطری طریقہ اختیار کیے جاتے ہیں اور جو دوائیاں استعمال کی جاتی ہیں اس میں ناکامی کے نتیجے میں جو اولاد پیدا ہو رہی ہے کوئی نہ کوئی عیب لے کر پیدا ہو رہی ہے، جو زندگی بھر کے لیے ایک آزمائش ہے۔ بہر حال اس ذہن کے ساتھ اولاد کی صحیح تربیت ممکن نہیں۔ ہاں اگر اولاد کو اللہ کی نعمت و رحمت اور حصول جنت کا ذریعہ سمجھا جائے تو اولاد کی تربیت ہوسکتی ہے۔

بچوں کی تربیت کا آغاز کس وقت سے ہوتا ہے

تربیت کا آغاز کب سے ہو؟ غور طلب پہلو ہے۔ مولانا یوسف اصلاحی صاحب نے اپنی کتاب 'حسن معاشرت' میں لکھا ہے کہ شکاگو کے ایک مشہور ماہر تعلیم نے ایک پروگرام میں بچوں کی تعلیم و تربیت کے موضوع پر لیکچر دیا۔ لیکچر سے فارغ ہونے پر ایک خاتون نے سوال کیا کہ ''مجھے اپنے بچہ کی تعلیم کا آغاز کب سے کرنا چاہئے'' ماہر تعلیم نے خاتون سے سوال کیا کہ ''آپ کے ہاں بچہ کب پیدا ہونے والا ہے''۔ خاتون نے کہا: میرا بچہ پانچ سال کا ہوگیا ہے۔ اس نے کہا: حد ہوگئی۔ خاتون! آپ یہاں کھڑی باتیں کر رہی ہیں؟ آپ نے پہلے ہی پانچ بہترین سال ضائع کردئے ہیں۔ مطلب یہ کہ تعلیم و تربیت کا آغاز بچہ کی پیدائش کے

ساتھ ہی ہونا چاہئے، یہ غیر مسلم ماہرین کی کہی ہوئی بات ہے۔ اسلام نے جو رہنمائی ہمیں دی ہے وہ اس سے بھی پہلے کی ہے۔ اس کا آغاز زوجین کے انتخاب ہی سے شروع ہوجاتا ہے ۔شریک حیات کے انتخاب میں میری بیوی کیسی ہو، یہ ایک اہم پہلو ہے، اتنا ہی اہم یہ پہلو بھی ہے کہ میرے ہونے والے بچے کی ماں کیسی ہو۔ دیندار بیوی کا انتخاب اولاد کے سلسلے میں صحیح طرز عمل اختیار کرنے کی راہ ہموار کرتا ہے۔ پھر صالح اولاد کے لیے دعا اس راہ کا پہلا قدم ہے۔ ابراہیمؑ کے حوالے سے قرآن نے رہنمائی کرتے ہوئے ''رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ'' اے میرے رب! مجھے صالح اولاد عطا فرما، دعا کی ترغیب فرمائی ہے۔ ایسے ہی دیگر انبیاء و صالحین کی دعاؤں کا بھی ذکر قرآن نے کیا ہے۔ مطلب یہ کہ صرف اولاد نہیں بلکہ صالح اولاد کے لیے دعائیں مانگی جانی چاہئے۔

دورانِ حمل اچھی سوچ، اچھی باتیں، اچھے کام، بالخصوص قرآن کی تلاوت اور نمازوں کا اہتمام، دینی اجتماعات میں شرکت و دینی کتابوں کا مطالعہ ہونا چاہئے۔ ماہرین طب اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ عورتیں جو کچھ دیکھتی ہیں، سنتی ہیں، سوچتی ہیں اور کرتی ہیں۔ اس کا اثر پیٹ میں پلنے والی اولاد پر ہوتا ہے۔ اچھے کام ہوں گے۔ اچھے اثرات پڑیں گے۔ غلط کام ہوں گے، غلط اثرات پڑیں گے۔ آج کل عام مسلمان گھروں میں یہ ہورہا ہے کہ صبح و شام ٹی وی چلتا رہتا ہے اور حاملہ عورتوں کا اچھا خاصا وقت گانے، فلموں اور سیریلوں کے دیکھنے میں صرف ہوتا ہے۔ ظاہر ہے، اس کا اثر پیٹ میں پلنے والے بچے پر پڑے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعلیم دی کہ پیدا ہوتے ہی بچہ کے کان میں اذان و اقامت کہی جائے، تاکہ سب سے پہلے اس کے کان میں اللہ کی بڑائی و کبریائی کی آواز پہنچے، تاکہ وہ شیطان کے فتنوں سے محفوظ

رہے۔ یہ بھی فرمایا کہ بچہ کا اچھا پاکیزہ وبا مقصد نام رکھا جائے، اللہ کی صفات پر مشتمل نام عبد لگا کر، جلیل القدر انبیاء، صحابہ وصحابیات وصلحاء کے نام رکھے جائیں۔ نام کے اچھے برے اثرات بھی شخصیت پر پڑتے ہیں۔ بدقسمتی سے آج فلمی ستاروں، کرکٹ وٹینس کے کھلاڑیوں کے نام رکھنے کا فیشن چل پڑا ہے۔ بچہ جیسے جیسے بڑا ہو، اسے اچھا ماحول فراہم کرنا ہوگا، بچے جو دیکھتے ہیں وہ سیکھتے ہیں۔ گھر میں لڑائی جھگڑے گالی گلوچ، زبان کا غلط استعمال اگر ہورہا ہو تو بچہ وہی سیکھے گا۔ گھر کا صاف ستھرا و پاکیزہ ماحول ہو، پیار ومحبت کی فضا ہو، ایک دوسرے کا ادب واحترام ہو، پاکیزہ وشائستہ گفتگو ہو تو وہ سیکھے گا۔ بڑھتی عمر کے حساب سے کلمہ، دعائیں اور سورتیں سکھانے نیز قرآن پڑھانے کا نظم ہو۔ نبی کریم ﷺ کے حالات زندگی، صحابہ وصحابیات وصلحاء امت کے واقعات سیدھی سادھی زبان میں کہانیوں کے انداز میں سنائی جائیں۔

اسلامی آداب سکھانے کا نظم ہو، مثلا سلام۔ گھروں میں داخل ہوتے ہوئے گھر والوں کے ساتھ بچوں کو سلام کرکے اس کے عادی ہم انہیں بناسکتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی سیرت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ چھوٹے بچوں کو سلام کرکے یہ اچھی عادت انہیں سکھاتے تھے۔ آج ہمارے لیے یہ عیب ہے۔ بچوں کو ہی کیا ہم اپنے گھر والوں کو سلام کرنے میں شرمندگی محسوس کرتے ہیں، الا ماشاء اللہ۔ اسی طرح گھر آئے ہوئے لوگوں کو رخصت کرتے ہوئے اچھے دیندار گھرانوں میں 'ٹاٹا بول بیٹا' کہنے کا رواج عام ہوگیا ہے، حالانکہ 'اللہ حافظ' کہنا اور سکھانا چاہیے۔ اسی طرح لباس کا مسئلہ ہے، بالخصوص لڑکیوں کا، ہم نے اکثر گھروں میں دیکھا ہے (جن میں بزعم خود دینی گھرانے بھی شامل ہیں) آٹھ دس سال کی لڑکیاں جینس وٹی شرٹس یا ایسے لباس میں ہوتی ہیں جس میں ان کے آدھے پیر ننگے ہوتے ہیں۔ یہ ان اسکولوں کے اثرات ہیں جہاں یہ

بچیاں پڑھتی ہیں۔اکثر انگلش میڈیم اسکولس کے یونیفارم، بالخصوص لڑکیوں کے، بیہودہ ہوتے ہیں۔ایسے اسکولس کے انتظامیہ سے باحیا ڈریس کوڈ کا مطالبہ کیا جانا چاہئے، ورنہ کیا ضروری ہے کہ ہم ایسے اسکولس میں پڑھائیں جہاں بچپن ہی سے بے حیائی کی تعلیم دی جارہی ہو۔اس ماحول کا اثر قبول کرتے ہوئے گھروں میں بے حیا لباس پہنائے جارہے ہیں۔آپ اچھے سے اچھا معیاری لباس پہنائیں مگر اس میں شائستگی ضروری ہے۔بہ ظاہر یہ باتیں چھوٹی نظر آتی ہیں، مگر یہی آگے کی زندگی کا رخ متعین کرتی ہیں۔اس لیے ان باتوں کا خاص خیال رکھا جانا چاہئے۔کمرشیل تعلیمی اداروں کے ظاہری ڈسپلن سے متاثر ہوکر دو تین سال کے بچوں کو بے بی کلاس میں داخلہ دلا دیا جاتا ہے جہاں ایک مصنوعی ماحول فراہم کیا جاتا ہے جس میں بچوں کا بچپن ان سے چھین لیا جاتا ہے۔پانچ، چھ سال تک کی عمر کے بچے گھر کے ایک فطری ماحول میں جو کچھ سیکھ سکتے تھے اس سے محروم کر دیا گیا ہے۔پہلی دوسری کلاس تک پہنچتے پہنچتے تعلیمی مصروفیات کچھ ایسی بن گئی ہیں کہ اسکولس سے آئے، ٹیوشن کو گئے، ٹیوشن سے آئے ہوم ورک میں لگ گئے۔اب قاعدہ وقرآن پڑھانے، کلمہ ودعائیں سکھانے، سورتیں یاد دلانے کے لیے وقت نہیں اور اس کی کچھ زیادہ پرواہ بھی نہیں۔

بچے اسکولس میں انگریزی پڑھتے ہیں اور گھروں میں اردو بولتے ہیں، مگر لکھنے پڑھنے سے محروم ہیں، نتیجہ میں قرآن وحدیث اور دینی تعلیمات کا جو ذخیرہ عربی کے بعد اردو ہی میں موجود ہے، آگے کی زندگی میں اس سے استفادہ سے محروم ہوجاتے ہیں۔معیاری انگریزی اسکولس میں پڑھانا ہی ناگزیر ہے تو اردو، عربی، ودین کی بنیادی تعلیم کا نظم ہمیں گھروں میں کرنا چاہئے۔معیاری اعلیٰ تعلیم ضروری مگر دینی تعلیم وتربیت کی قربانی دیکر نہیں، بلکہ دینی تعلیم و

تربیت کے ساتھ، بلکہ اس فکر کے ساتھ کہ اعلیٰ تعلیم آج کے حالات میں دعوت دین کی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لیے ضروری ہے۔

بچوں کی تربیت کیلئے اعلی تدابیر اختیار کریں

عملی کوششوں میں گھروں میں ماؤں کی نماز کی پابندی سے ادائیگی کا جہاں اہتمام ہوتا ہے وہاں دیکھا گیا ہے ماں کے ساتھ ننھی بچیاں ہاتھ باندھ کر کھڑی ہوجاتی ہیں، رکوع وسجود کا عمل دہراتی ہیں۔اسی طرح باپ مسجد جاتے ہوئے بچوں کو ساتھ لیکر جائیں تو بچوں کا تعلق اللہ کے گھر سے جڑ جاتا ہے۔اسی طرح دینی اجتماعات میں بچوں کو لیکر جانا چاہئے، وہ کتنا سمجھ پاتے ہیں الگ سوال ہے لیکن اتنا ضرور ہوگا کہ اجتماعات میں شرکت کا ذہن بنے گا۔ بچے جو دیکھتے ہیں وہ سیکھتے ہیں۔ایک پانچ سال کے بچے نے، جو جماعت کے ساتھ نماز پڑھتا تھا، ایک دن ایک نماز کے بعد امام صاحب سے کہا کہ آپ نے آج نماز میں غلطی کی، انہوں نے پوچھا کیسے تو اس نے اشارے سے یہ بات بتائی کہ رکوع کیے بغیر آپ سجدے میں چلے گئے۔ دراصل آیت سجدہ تھی، اس بچے کے لیے پہلا تجربہ تھا۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ماحول ہم دیں گے تو بچے سیکھیں گے، ذہن وفکر بنے گا۔ جہاں اس طرح کوششیں ہوئی ہیں وہاں بچے بڑے ہوکر تحریک سے جڑے ہیں۔ بچوں کو بہلانے کے لیے بہت سی باتیں ہم بنا دیتے ہیں، جانا کہیں ہوتا ہے، بتا کچھ اور دیتے ہیں یا یہ کہہ کر چلے جاتے ہیں شام کو آؤں گا فلاں چیز لا کر دوں گا حالانکہ ایسا نہ ارادہ ہوتا ہے، نہ لاکر دیتے ہیں۔ دراصل یہ جھوٹ ہے جس کی تعلیم ہم اپنے عمل سے دیتے ہیں۔ بند مٹھی دکھا کر ایک خاتون اپنے بچے کو بلا رہی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے پوچھا: تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟ تم بچے کو کیا دینا چاہتی ہو؟ خاتون نے کہا: یارسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس میں کھجوریں ہیں، جو میں بچے کو دینا چاہتی ہوں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر ایسا نہ کرتیں تو ایک جھوٹ ہوتا جو تمہارے حساب میں لکھا جاتا۔حضرت ام سلمہؓ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پینے کے لیے دودھ دیا۔انہوں نے (تکلف میں) کہا کہ مجھے بھوک نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بھوک اور جھوٹ کو ایک جگہ جمع مت کرو، مطلب یہ کہ تکلف میں بھی جھوٹ نہیں بولنا چاہیے۔ایک رفیق جماعت اپنے چھوٹے بچے کے ساتھ جوتے خریدنے دوکان پر گئے، بچہ اپنے لیے بھی اصرار کرنے لگا، سیلس مین نے بچہ کو بہلانے کے لیے کہہ دیا کہ اس پارسل میں تمہارے لیے بھی جوتا ہے۔اس پر رفیق جماعت سیلس مین پر یہ کہتے ہوئے برس پڑے کہ یہ غلط بات آپ نے کیسے کہہ دی وہ گھر جا کر دیکھے گا کہ جوتا نہیں ہے تو وہ ہمیں جھوٹا تصور کرے گا چنانچہ انہوں نے بچہ کے لیے بھی جوتا خرید لیا۔یہ سب عملی تربیت کے پہلو ہیں۔بچوں کو اچھا بنانے کے لیے خود ہمیں اچھا بننا ہوگا۔

بچوں کی صحت کا خاص خیال رکھنا چاہئے، اس کے لیے صحت مند غذا ضروری ہے۔آج کل بچوں کو چاکلیٹ، آئیس کریم اور Pizza کھلا کر پالا جارہا ہے۔حدیث میں 'قوی مومن' کا ذکر آیا ہے جو ایمانی وجسمانی دونوں حیثیتوں سے مطلوب ہے۔صحت مند غذا کے ساتھ اس بات کا لحاظ بھی ضروری ہے کہ جو بھی کھلانا ہے بچوں کو گھر لا کر کھلائے، نہ بچوں کو ساتھ لے جا کر خریداری کریں نہ انہیں پیسہ دیکر خود خریدنے کی ترغیب دیں۔یہ عادت بچوں کے کردار کو بگاڑ دیتی ہے، کل وہ کوئی چیز لینا چاہیں اور پیسہ نہ ملے یا آپ نہ دیں تو وہ گھر میں کہیں سے بھی پیسہ نکالنے کی کوشش کریں گے۔یہ پہلو بھی پیش نظر رہے کہ اولاد کی پرورش رزق حلال سے ہو، رزق حرام سے نہیں۔

بچوں کو نڈر اور باہمت بنانا ضروری ہے، عام طور پر جب چھوٹے بچے شرارت کرتے ہیں تو بھوت، بلی وغیرہ کا خوف دلا کر ڈرایا جاتا ہے۔ ایک مرتبہ خوف کی نفسیات بچوں کے اندر بیٹھ جاتی ہے تو وہ زندگی بھر پیچھا نہیں چھوڑتی ہے، بے باکی ان کے اندر سے رخصت ہوجاتی ہے۔ بچوں کی شرارتوں کو بڑی حد تک گوارا اور برداشت کرنا چاہیے۔ اصل میں جو بچے ذہین ہوتے ہیں وہی شرارت کرتے ہیں، ڈانٹنے سے ذہانت متاثر ہوجاتی ہے۔ کوئی کھلونا یا گھر کی کوئی چیز ٹوٹ جائے تو ٹوٹ جائے مگر بچے کا دل نہیں ٹوٹنا چاہیے۔ بچے بہت سے سوالات کرتے ہیں، ان کا محبت سے جواب دیا جانا چاہیے، ڈرانا اور جھڑکنا نہیں چاہیے۔ بچے بات کو جاننے، سمجھنے کے لیے سوال کرتے ہیں، یہ سیکھنے کا مرحلہ ہوتا ہے۔ لہذا پوری حکمت اور محبت کے ساتھ صحیح بات بتانی چاہئے۔

بچوں کو خود غرض (Selfish) بننے سے بچانا چاہئے، دوسروں کے کام آنے کا اور احترام کا جذبہ ان کے اندر پیدا کرانے کی کوشش ہونی چاہئے۔ گھر پر کوئی سائل آئے تو اسے جو دینا ہے بچوں کے ذریعہ سے دیں، اور سائل کے سلسلے میں حقارت کا نہیں بلکہ خالہ یا ماموں کہہ کر احترام کا جذبہ پیدا کرائیں۔ اصل تو تعلیم وتربیت ہی ہے، پرورش تو جانور بھی چرند پرند بھی کر دیتے ہیں۔

تربیت کی ذمہ داری والد پر بھی ہے

تربیت کا آغاز کب سے ہو اور تربیت کس طرح سے ہو؟ یہ چند عملی پہلو ہیں جو رکھے گئے ہیں، آیئے اب اس پہلو پر غور کریں کہ تربیت کی ذمہ داری کس کی ہے۔ عام طور پر ماں کی گود کو پہلا مدرسہ کہا جاتا ہے۔ بات بڑی حد تک صحیح ہے بشرطیکہ ماں کی گود دینی علم وجذبہ سے سرشار ہو۔ ابتداء کے چند سال بچہ دن رات ماں کے ساتھ گزارتا ہے، اس لحاظ سے اس کی

ذمہ داری زیادہ ہے۔لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ باپ غیر ذمہ دار ہے، بلکہ باپ بھی برابر کا ذمہ دار ہے، بالخصوص جب بچہ ذرا بڑا ہو جاتا ہے۔قرآن مجید میں اولاد کو دی جانے والی نصیحتوں اور عملی کوششوں کا جو ذکر آیا ہے وہ باپ ہی کے حوالے سے ہے۔حضرت لقمان کی نصیحتوں کا واضح انداز میں ذکر آیا ہے اس میں بڑی رہنمائی ہے۔

''اے میرے بیٹے !اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کر حقیقت یہ ہے کہ شرک ظلم عظیم ہے۔'' (لقمان:۱۳)

''اے میرے بیٹے !نماز قائم کر، بھلائیوں کا حکم دے، برائیوں سے روک، اس راہ میں جو مصیبت بھی پیش آئے اس پر صبر کر۔'' (لقمان ۱۷)

اس میں عقیدہ و عبادت ہی کی تعلیم نہیں دی گئی ہے بلکہ ذمہ داری کی ادائیگی کی اور اس راہ میں پیش آنے والی مشکلات پر استقامت کی تلقین شامل ہے۔آگے کی آیات میں سیرت و کردار کو اونچا اٹھانے، بالخصوص کبر و غرور جیسی اخلاقی خرابیوں سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے ،تاکہ ذمہ داریوں کی ادائیگی احسن انداز میں ہو سکے۔''اور لوگوں سے منہ پھیر کر بات نہ کر، نہ زمین میں اکڑ کر چل، اللہ کسی خود پسند اور فخر جتانے والے شخص کو پسند نہیں کرتا، اپنی چال میں اعتدال اختیار کر اور اپنی آواز ذرا پست رکھ، سب آوازوں سے زیادہ بری آواز گدھوں کی آواز ہوتی ہے۔'' (لقمان ۱۹،۱۸)

ان آیات کی روشنی میں باپ کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ اولاد کی تعلیم و تربیت ہمہ پہلو کرے، تاکہ وہ مومنانہ و داعیانہ صفات سے آراستہ ہو کر ذمہ داریوں کی ادائیگی کے قابل بن سکے۔

ابراہیمؑ کی صالح اولاد کے لیے کی گئی دعا کا جہاں ذکر ہے وہیں اولاد کی تعلیم و تربیت اور

سیرت و کردار کو سنوارنے کی فکری و عملی کوششوں کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔آپؑ کو بڑے بڑے امتحانات سے گزارنے اور اس میں کامیاب ہونے کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو ساری انسانیت کے امام و پیشوا بنانے کی بشارت دی تو فوری یہ سوال کیا کہ کیا میری اولاد سے بھی یہی وعدہ ہے؟ اس آیت میں ذریت کا لفظ آیا ہے۔مطلب یہ کہ صرف اولاد ہی نہیں بلکہ نسل درنسل تک امامت و قیادت کا منصب حاصل رہے۔

سورہ ابراھیم میں آپؑ کی یہ دعا آئی ہے ’’پروردگار میں نے ایک بے آب و گیاہ وادی میں اپنی اولاد کے ایک حصہ کو تیرے محترم گھر کے پاس لا بسایا ہے، پروردگار یہ میں نے اس لیے کیا ہے کہ یہ لوگ یہاں نماز قائم کریں‘‘ (ابراہیم:۳۷)

اسی میں آگے یہ مشہور دعاء ہے ’’اے میرے رب مجھے نماز قائم کرنے والا بنا اور میری اولاد کو بھی (قیام نماز کی توفیق دے) پروردگار میری دعاء کو قبول کر‘‘۔(ابراہیم:۴۰)

تعمیر کعبہ کا حکم جب ابراھیمؑ کو دیا گیا تو اس کی تعمیر آپؑ نے اپنے بیٹے اسماعیلؑ کو لیکر کی ،فرمایا اللہ تعالیٰ نے ’’اور یاد کرو ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ جب اس گھر کی دیواریں اٹھا رہے تھے تو دعا کرتے جاتے تھے اے ہمارے رب ہم سے یہ خدمت قبول فرمالے تو سب کی سننے اور جاننے والا ہے۔‘‘ (البقرہ:۱۲۷)

تربیت کا یہ بہت ہی اہم پہلو ہے کہ اولاد کے لیے دعائیں بھی ہوتی رہیں اور عملی کوششوں میں اولاد کو ساتھ رکھا جائے ،جس کی رہنمائی ابراھیمؑ کے اس عمل سے سامنے آتی ہے۔آگے یہ دعاء ہے کہ اے ہمارے رب ہم دونوں (مجھے اور میرے بیٹے) کو اپنا مطیع و فرماں بردار بنا۔(البقرہ۱۲۸)

اور اس گھر کے سلسلے میں ہدایت دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے دونوں سے فرمایا، ’’اور ابراھیمؑ

واسمٰعیلؑ کو تاکید کی تھی کہ: ’’اس گھر کو طواف اور اعتکاف اور رکوع وسجدہ کرنے والوں کے لیے پاک صاف رکھو۔‘‘ (البقرۃ:۱۲۵)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث میں بھی تربیت اولاد سے متعلق کئی ارشادات باپ ہی کے حوالے سے آئی ہیں۔ مشہور حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ’’باپ اپنی اولاد کو جو کچھ دے سکتا ہے اس میں سب سے بہترین عطیہ اولاد کی اچھی تعلیم وتربیت ہے۔ ایک اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد ہمیں ملتا ہے کہ ’’اپنے بچوں کا اکرام کرو اور انہیں اچھی تربیت دو۔‘‘

تربیت کا عمل کب تک؟

بچپن ولڑکپن کا وقت تربیت کے لیے سب سے زیادہ موزوں ہے۔ اس میں بعض اوقات غفلت ہو جاتی ہے۔ عام طور پر یہ سوچ رہتی ہے کہ ابھی بچے ہیں، ذرا بڑے ہوں گے تو رہنمائی کریں گے، لیکن جب بچے بڑے ہو جاتے ہیں تو یہ تصور غالب آجاتا ہے کہ بچے اب بڑے ہو گئے ہیں، اب کیسے انہیں کچھ کہیں۔ درحقیقت تربیت ایک مستقل عمل ہے۔ والدین کو آخری سانس تک اس عمل کو جاری رکھنا ہے۔ بچے جتنے بھی بڑے ہو جائیں ماں باپ کے لیے بچے ہی رہتے ہیں۔ چاہے وہ خود بچوں کے ماں باپ بن گئے ہوں۔ بہت واضح مثال قرآن نے حضرت یعقوبؑ کی دی ہے کہ وہ زندگی بھر اپنے بچوں کو برابر نصیحت کرتے رہے: ’’اے میرے بچو! اللہ نے تمہارے لیے یہی دین پسند کیا ہے ’’فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ‘‘ لہٰذا مرتے دم تک اللہ کی اطاعت گزاری وفرمانبرداری کرتے رہنا۔‘‘ (البقرۃ: ۱۳۲)

انتقال کے وقت یہ خیال کہ میری زندگی میں تو بچے اللہ کی عبادت کر رہے ہیں۔ کیا میرے بعد بھی وہ اس پر قائم رہیں گے۔ اپنی اس ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے انہوں نے بیٹوں

سے یہ سوال کیا: ''مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِیْ'' میرے بعد تم کس کی بندگی کرو گے۔ بیٹوں نے جواب دیا' ہم اسی ایک اللہ کی بندگی کریں گے جس کی بندگی آپ نے اور آپ کے بزرگوں ابراہیمؑ، اسماعیلؑ اور اسحاقؑ نے کی ہے۔ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ اور ہم اسی کی اطاعت گزاری و فرماں برداری کرتے رہیں گے۔'' (البقرة:۱۳۳)

حضرت یعقوبؑ کے انتقال کے وقت حضرت یوسفؑ کی عمر ۴۰ تا ۴۵ کے درمیان رہی ہوگی (۲۰،۲۱ سال کی عمر میں جیل گئے، جیل میں دس سال گذرے، رہائی کے بعد حکومت کی ذمہ داریاں سنبھالتے ہوئے خوش حالی کے سات سال گزرے، غالباً قحط سالی کے تین، چار سال بعد والدین کنعان سے مصر منتقل ہوئے۔ یعقوبؑ کا انتقال اسکے چند سال بعد ہوا ہوگا۔) ایک بھائی تو آپ سے چھوٹے تھے باقی دس بڑے بھائیوں کی عمریں ۵۰، ۶۰، ۶۵ کے آس پاس رہی ہوں گی۔ یعقوبؑ کے اس طرز عمل سے یہ بات ہمارے سامنے آتی ہے کہ بیٹوں کے بڑے ہو جانے کے باوجود باپ کی ذمہ داری، رہنمائی و تربیت کی، باقی رہتی ہے۔ بہر حال جب تک زندگی باقی ہے تربیت کا عمل جاری رہنا چاہیے۔ جن تحریکی گھرانوں میں اولاد کی ہمہ پہلو تربیت کی فکر اور کوششیں ہوئی ہیں وہاں الحمد للہ اولاد، دین کے صحیح فہم کے ساتھ تحریک کی علمبردار بنی ہے اور جن گھرانوں کی کوششوں میں کمی رہ گئی ہے وہاں اولاد، محدود تصور دین رکھنے والی جماعتوں یا مسلکی فکر کی مبلغ جماعتوں کی نمائندگی کر رہی ہے۔ اور بعض کا کردار دین بیزاری اور جماعت کی مخالفت کا بھی ہے۔ اولاد کی صحیح تربیت دنیا میں اطمینان، راحت وسکون کا اور آخرت میں نجات و درجات کی بلندی کا ذریعہ بنے گی۔ ان شاء اللہ۔ اللہ ہم سب کو اپنی اولاد کے سلسلے میں اپنی ذمہ داریوں کو حسن وخوبی سے انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔

سرپرست والدین اور استاد کی ذمّہ داری اور فرائض

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا﴾۔ (التحریم:٦)

''اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔

ماں، باپ، استاد اور سوسائٹی کا ہر فرد اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے نسل انسانی کی تربیت کے بارے میں جواب دہ ہے، ان لوگوں نے اگر نسل انسانی کو حسن تربیت سے آراستہ کر دیا ہوگا تو اس کی سعادت مندی کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کو بھی دنیا وآخرت میں سرخروئی حاصل ہوجائے گی اور اگر اس کی تربیت کے سلسلہ میں ذرہ برابر بھی ان کی جانب سے کسی قسم کی کوتاہی کا ارتکاب ہوا ہوگا تو نسل انسانی کی شقاوت و بدبختی کا بوجھ ان سب کی گردنوں پر ہوگا یہی وہ بات ہے جس کو حدیث شریف میں یو بیان کیا گیا ہے:

كُلُّكُمْ رَاعٍ، وَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ۔ (متفق علیہ)

''تم میں سے ہر ایک ذمہ دار ونگہبان ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اس کی رعیّت کے بارے میں باز پرس ہوگی''۔

پس وہ شخص جس نے اپنے آپ کو دوسروں کی تعلیم و تربیت پر لگا رکھا ہے اس کے لیے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان میں بشارت وخوشخبری کی نوید ہے جس میں آپ فرماتے ہیں:

فَوَاللهِ لَأَنْ يَهْدِيَ اللهُ بِكَ رَجُلًا وَاحِدًا خَيْرٌ لَكَ مِنْ أَنْ يَكُونَ لَكَ حُمْرُ النَّعَمِ۔

''اللہ کی قسم! اگر تمہارے ذریعہ اللہ تعالیٰ ایک شخص کو بھی ہدایت دیدے تو وہ تمہارے لیے سرخ اونٹوں (کی دولت) سے بہتر ہے''۔ (اسے بخاری ومسلم نے روایت کیا ہے)

اور والدین کے لیے بھی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مندرجہ ذیل صحیح حدیث میں بشارت سنائی گئی ہے:إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انقَطَعَ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثٍ، صَدَقَةٌ جَارِيَةٌ، وَعِلْمٌ يُنْتَفَعُ بِهِ، وَوَلَدٌ صَالِحٌ يَدْعُو لَه۔

''جب انسان کو موت آلیتی ہے تو ہر قسم کے عمل کا تعلق اس سے کٹ جاتا ہے، مگر تین قسم کے اعمال ایسے ہیں جن سے اس کو برابر ثواب پہنچتا رہتا ہے اور وہ یہ ہیں:

۱۔صدقہ جاریہ
۲۔علم جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں
۳۔نیک اولاد جو اس کے لئے دعائے خیر کرتی رہے''۔

اور دوسروں کی تربیت کے فریضہ کو سرانجام دینے والوں کو چاہیے کہ وہ سب سے پہلے اس اصلاحی کام کی ابتدا اپنے آپ سے کریں۔اس لئے کہ بچوں کی نظر میں اچھائی صرف وہ ہے جس کو والدین اور اساتذہ سرانجام دیتے ہیں اور ہر وہ چیز ان کی نگاہ میں گھٹیا ہے جس کے ارتکاب سے والدین اور اساتذہ احتراز کرتے ہیں اور بلاشبہ استاد اور والدین کا بچوں کے سامنے اعلیٰ کردار پیش کرنا ان کی تربیت میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

بچوں کی تعلیم وتربیت کیلئے ان بنیادی اُصول کا ضرور لحاظ کریں

بچوں کی تربیت کے ضمن میں مندرجہ ذیل باتوں کا خیال رکھنا چاہیے:

۱۔بچے کو چھوٹی عمر میں ہی کلمۂ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی صحیح ادائیگی کی تعلیم دینی چاہیے اور جب اس کی عمر بڑی ہوجائے تو مذکورہ کلمۂ طیبہ کا یہ معنیٰ ومفہوم اس کے ذہن نشین کرانا

چاہئے کہ ''اللہ کے سوا کائنات میں کوئی سچا معبود نہیں ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں''۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی محبّت اور اس کے ساتھ ایمان کے بیج کو بچپن ہی سے بچے کے دل میں بو دینا چاہیے اور یہ بات اس کے ذہن میں بیٹھا دی جائے کہ اللہ تعالیٰ ہی تو ہے جو صرف اکیلا بغیر کسی معاون کے ہمیں پیدا کرنے والا، ہمارا روزی رساں اور پیش آنے والی مشکلات میں ہماری مدد فرمانے والا ہے۔

۳۔ بچوں کے دل میں جنّت کے حصول کا شوق پیدا کرنا نہایت ضروری ہے اور اس سلسلے میں ان کو یہ بتایا جائے کہ جنّت صرف اس کو ملے گی جو نماز ادا کرے، روزہ رکھے اور اپنے والدین کی اطاعت و فرمانبرداری کرے اور ہر وہ کام بجالائے جس کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتے ہوں۔

اسی طرح ان کے دلوں میں جہنم کی آگ کی ہولناکیوں اور وحشتوں کا بھی خوف پیدا کرنا ضروری ہے اور یہ بات ان کے علم میں لانی چاہیے کہ جہنم میں صرف وہ شخص ہی جھونکا جائے گا جو نماز کی ادائیگی سے غفلت کا شکار رہا۔ والدین کی نافرمانی کی، اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کو مول لیا، اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کو چھوڑ کر انسانوں کے وضع کردہ نظاموں سے رہنمائی حاصل کی اور دھوکا، جھوٹ، سود اور دیگر ناجائز ذرائع سے لوگوں کے مالوں کو ہڑپ کیا۔

۴۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچیرے بھائی کو تعلیم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا:

(إِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللهَ وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللهِ۔

''جب تم کوئی چیز مانگو تو صرف اللہ سے مانگو، جب تو مدد چاہو تو صرف اللہ سے مدد طلب کرو''۔ (اسے ترمذی نے روایت کر کے حسن صحیح کہا ہے)

مندرجہ بالا حدیث کے مطابق بچوں کو اس بات کی تعلیم دینی چاہیے کہ وہ اپنی تمام ضروریات اللہ تعالیٰ کے سامنے ہی پیش کریں اور مشکلات میں پھنس جانے کی صورت میں صرف اسی کے حضور اپنے ہاتھ پھیلائیں۔

بچوں کو شرک وکفر غلط حرکات اور محرّمات سے بچنے کی بھی تاکید کریں

بچوں کو کفر کے ارتکاب، گالی گلوچ لعن طعن، بکواس اور فضول وگھٹیا قسم کی گفتگو کرنے سے خبردار کرتے رہنا چاہیے اور نہایت شفقت و پیار کے انداز میں ان کو یہ باور کرانا چاہیے کہ کفر کا راستہ انسان کے لیے تباہی و بربادی کا راستہ ہے۔ یہ اس کو جہنم تک پہنچا کر ہی دم لیتا ہے، ہم بڑوں کو بھی چاہیے کہ ہم ان کے سامنے اپنی زبان کا استعمال نہایت محتاط انداز سے کریں تا کہ ہماری شخصیت ان کے لیے ایک مثالی انسان کی حیثیت اختیار کر سکے۔

۲۔ ہر وہ کھیل جسے جوئے کی مختلف شکلوں میں کھیلا جاتا ہے اس کے انجام بد سے بچوں کو آگاہ کرنا چاہیے، خواہ یہ کھیل ''لاٹری'' کی شکل میں ہو یا ''کیرم بورڈ'' کی شکل میں، اور چاہے یہ کھیل محض تفریح طبع اور وقت گزاری کے لیے ہی کیوں نہ کھیلا جارہا ہو اس لئے کہ ایسے کھیل کی ابتدا تو شاید دل بہلانے کی غرض سے ہو لیکن آخر کار اس سے ان کو باقاعدہ شرطیں لگا کر جُوا کھیلنے کی عادت بھی پڑ سکتی ہے اور جُوا ایسا برا کھیل ہے جو آپس میں دشمنیوں کو جنم دیتا ہے اور انسانی زندگی کو تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کرتا ہے۔ جوئے کا یہ کھیل مال اور وقت کے ضیاع کا باعث بھی ہوتا ہے یہاں تک کہ نمازیں بھی اس کی نذر ہو جاتی ہیں۔

۳۔ فحش، جنسی لٹریچر اور جاسوسی ناولوں کے پڑھنے، عریاں تصاویر سے لطف اندوز ہونے سے بچوں کو سختی سے روکنا چاہیے، یہی نہیں بلکہ ان کو اخلاق باختہ قسم کی فلموں کو سینما گھروں میں جا کر یا ٹی وی پر دیکھنے سے بھی باز کرنا چاہیے، کیونکہ اس سے ان کے اخلاق پر منفی اثرات مرتّب ہوں گے اور ان کا مستقبل تباہ و برباد ہو جائے گا۔

۴۔بچے کوسگریٹ نوشی کے اثرات بد سے بھی آگاہ کرنا چاہیے اور یہ بات اس کو ذہن نشین کرانی چاہیے کہ دنیا بھر کے حکماء اور اطباء اس بات پر متفق ہیں کہ سگریٹ نوشی انسانی جسم کے لیے نقصان دہ ہے اس عادت سے جسم کینسر جیسی مہلک بیماری سے دوچار ہو جاتا ہے۔اس سے دانتوں کی بیماریاں بھی جنم لیتی ہیں اور ہر وقت منہ سے بدبو اٹھتی رہتی ہے۔سگریٹ نوشی کی وجہ سے سینے کا اندرونی نظام درہم برہم ہو کر رہ جاتا ہے اور جب سگریٹ نوشی کا سرے سے کوئی فائدہ ہی نہیں، بلکہ اس کا وجود انسانی زندگی کے لیے سراسر نقصان ہی کا باعث بنتا ہے تو اس کا استعمال کرنا اور بیچنا حرام ٹھہرتا ہے۔سگریٹ نوشی سے روکنے کے ساتھ ساتھ بچوں کو پھل فروٹ اور دیگر اچھی اچھی خوش ذائقہ مفید چیزیں استعمال میں لانے کی ضرورت پر زور دینا چاہیے۔

۵۔ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ ہم بچوں کو قولی و عملی اعتبار سے سچائی کا عادی بنائیں اور اس کے لیے ضروری ہوگا کہ ہم ان کے ساتھ ہنسی و مذاق کے انداز میں بھی جھوٹ بولنے سے گریز کریں چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے:

(مَنْ قَالَ لِصَبِيٍّ: تَعَالَ هَاكَ(خُذْ)، ثُمَّ لَمْ يُعْطِهِ شَيْئًا، فَهِيَ كِذْبَةٌ۔ (صحیح، رواہ أحمد)

''جس نے بچے کو کوئی چیز دینے کا بہانہ کر کے بلایا اور پھر وہ چیز اس کو نہ دی تو اس کا یہ عمل اس کے اعمال نامہ میں جھوٹ کے طور پر لکھا جائے گا''۔(اسے احمد نے روایت کیا ہے، اور یہ حدیث صحیح ہے)

۶۔رشوت، سود، چوری اور دھوکا دہی کے ذریعہ کمائے ہوئے حرام مال سے اپنی اولاد کا پیٹ بھرنے سے ہمیں ہر صورت میں احتراز کرنا ہوگا ایسی خوراک ان کی شقاوت و بدبختی کا جہاں باعث بنے گی وہاں ان میں نافرمانی وسرکشی کے جراثیم کو بھی جنم دے گی۔

۷۔کسی صورت میں بھی بچوں کے لیے اپنی زبان سے ان کے تباہ وبرباد ہونے یا غیظ وغضب کا نشانہ بننے کے لیے بددعا نہ کریں، اس لیے کہ کوئی گھڑی ایسی بھی ہوتی ہے جس میں جو بھی دعا یا بددعا کی جاتی ہے اس کو اللہ تعالیٰ فوراً قبول فرمالیتے ہیں۔اس کے علاوہ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس قسم کا رویہ بچوں کو مزید گمراہی وسرکشی کے رستہ پر دھکیل دیتا ہے۔بہتر یہ ہے کہ ہم ایسے حالات میں ان کے لیے بددعا کرنے کی بجائے ان کے حق میں یہ دعائیہ کلمات کہیں:

(أَصْلَحَكَ اللهُ) یعنی اللہ کرے کہ تو راہ راست پر آجائے۔

۸۔بچوں کو شرک باللہ کے مہلک اثرات سے بھی خبردار کرنا چاہیے اور ان کو بتانا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر فوت شدہ لوگوں کے سامنے اپنی حاجات کے لیے التجائیں کرنا اور مشکلات سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے غیر اللہ کو پکارنا شرک ہے کیونکہ وہ تمام لوگ جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا پکارا جاتا ہے وہ محض اللہ کے بندے ہیں اور وہ نفع ونقصان کے قطعاً مالک نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَدْعُ مِن دُونِ اللهِ مَا لَا يَنفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۖ فَإِن فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذًا مِّنَ الظَّالِمِينَ﴾۔(یونس:۱۰۶)

''اور اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیز کی عبادت مت کرنا جو تجھ کو نہ کوئی نفع پہنچا سکے اور نہ کوئی ضرر پہنچا سکے۔پھر اگر ایسا کیا تو تم اس حالت میں ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔

غیر اسلامی لباس سے بچے اور بچیوں کو دور رکھیں ورنہ بددین ہو جائیں گے

ا۔لڑکی کو بچپن ہی سے اپنے جسم کو ڈھانپ کر رکھنے کی تلقین کرنا ضروری ہے تا کہ بلوغت کی

عمر کو پہنچنے تک وہ ساتر لباس پہننے کی عادی ہو چکی ہو۔ والدین کو چاہیے کہ ان کو چھوٹی عمر ہی سے تنگ ومختصر قسم کا لباس پہنانے سے گریز کریں اور شرٹ و پتلون پر مشتمل لباس ان کو ہرگز لا کر نہ دیں۔ اس لئے کہ ایسا لباس مردوں کے لباس سے ملتا جلتا ہے اور مزید برآں نوجوان طبقہ کے بگاڑ اور فساد کا بھی باعث بنتا ہے اور بچی جب سات سال کی عمر کو پہنچ جائے تو اسے دوپٹہ یا رومال وغیرہ سے سر کو ڈھانپ کر رکھنے کی تلقین کرنی چاہیے اور جونہی وہ بلوغت کی عمر کو پہنچے تو اسے اپنے چہرہ کو چھپا کر رکھنے کی ہدایت کرنی چاہیے۔ اور اس سے کہا جائے کہ وہ عمر کے اس حصہ میں اپنے جسم کو چھپانے کے لیے ایک ایسا سیاہ رنگ کا لمبا، کھلا اور ساتر قسم کا لباس (بڑی چادر یا برقعہ) زیب تن کرے جو اس کی شرافت کا نگہبان اور اس کی شرم وحیا کا محافظ ہو، اور یہی وہ عظیم مقاصد ہیں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن کریم تمام مومن عورتوں کو حجاب کی پابندی اختیار کرنے کی دعوت ان الفاظ میں دے رہی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَابِيبِهِنَّ ۚ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَن يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا﴾۔ (الاحزاب:۵۹)

''اے نبی! اپنی بیویوں سے اور اپنی صاحبزادیوں سے اور مسلمانوں کی عورتیں سے کہہ دو کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادریں لٹکا لیا کریں، اس سے بہت جلد ان کی شناخت ہو جایا کرے گی پھر نہ ستائی جائیں گی، اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

اور اللہ تعالیٰ مومنہ عورتوں کو بے پردگی اور بے جا زیب وزینت کے اختیار کرنے سے روکتے ہوئے یوں ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ﴾۔ (الاحزاب:۳۳)

’’اور سابقہ دور جاہلیت کی سج دھج کے ساتھ ظاہر نہ ہوں‘‘۔

۲۔لڑکی ہو یا لڑکا ہر ایک کو اس بات کی تلقین کرنی چاہیے کہ وہ اپنی جنس کے لیے بنا ہوا خاص لباس ہی استعمال کرے تا کہ وہ دوسری جنس کے افراد کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے سے محفوظ رہ سکے اس کے علاوہ بچوں کو اس بات کی بھی ہدایت کرنی چاہیے کہ وہ غیر مسلم قوموں کے ایجاد کردہ تنگ پتلون ایسے لباس، یونیفارم اور اخلاق باختہ فیشنوں سے اپنے آپ کو بچائیں، کیونکہ وہ لوگ جو اس قسم کے کاموں کا ارتکاب کرتے ہیں ان کے لیے حدیث میں سخت وعید آئی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُتَشَبِّهِينَ مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَاءِ، وَالْمُتَشَبِّهَاتِ مِنَ النِّسَاءِ بِالرِّجَالِ۔

’’رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مردوں پر لعنت بھیجی جو عورتوں جیسا چال چلن اختیار کریں اور ان عورتوں پر لعنت بھیجی جو مردوں جیسا چال چلن اختیار کریں‘‘۔(اسے بخاری نے روایت کیا ہے)

اور بخاری ہی کی دوسری روایت میں ہے:(لَعَنَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُخَنَّثِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالْمُتَرَجِّلَاتِ مِنَ النِّسَاءِ)

’’رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخنث مردوں پر اور مردوں کی چال چلن اختیار کرنے والی عورتوں پر لعنت بھیجی‘‘۔

ایک اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یوں ارشاد فرماتے ہیں:

مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ۔(صحیح، رواہ أبوداود)

''یعنی جو شخص کسی قوم سے مشابہت اختیار کرے گا وہ ان ہی کا ایک فرد سمجھا جائے گا''۔(حدیث صحیح ہے، اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بتائے ہوئے اخلاق و آداب اور نیک عادات کا بچوں کو پابند بنائیں

۱۔اسلامی تعلیمات کے مطابق ہمیں بچے کو اس بات کا عادی بنانا چاہیے کہ وہ کسی چیز کو لینے، دینے، کھانے، پینے اور اسی طرح لکھائی کرتے ہوئے اور مہمان کی میزبانی کے فرائض ادا کرتے وقت اپنا دایاں ہاتھ استعمال کرے، اس کے علاوہ اس کو اس کی بھی ہدایت کرنی چاہیے کہ وہ ہر کام شروع کرتے وقت (بسم اللہ) ضرور پڑھا کرے اور خاص طور پر کھانا کھانے یا پانی وغیرہ پینے سے پہلے اس کا ضرور خیال رکھے، اور اس کو اس بات کی بھی تلقین کرنی چاہیے کہ وہ جب کھانا کھائے تو بیٹھ کر کھائے اور کھانے سے فارغ ہونے کے بعد (الحمد للہ) ضرور پڑھا کرے۔

۲۔بچے کو نظافت و پاکیزگی کا عادی بنانا چاہیے، اس کو بتایا جائے کہ وہ باقاعدگی سے اپنے ناخن اتارا کرے، کھانا کھانے سے پہلے اور اس سے فارغ ہونے کے بعد اپنے ہاتھوں کو اچھی طرح دھویا کرے، اس کے علاوہ اس کو استنجا کرنے کی تعلیم بھی دی جائے اور یہ بات اس کے علم میں لائی جائے کہ جب وہ قضائے حاجت سے فارغ ہوجائے تو ٹشو پیپر (Tissue Paper) یا پانی سے اچھی طرح صفائی کرے، کیونکہ اس طرح اس کی نماز بھی درست ہوگی اور کپڑے بھی ناپاک ہونے سے محفوظ رہیں گے۔

۳۔ ہمیں بچوں کو نصیحت بڑی نرمی کے ساتھ علیحدگی میں کرنی چاہیے اور کسی کوتاہی کی وجہ سے دوسروں کے سامنے ان کی سرزنش کر کے ان کو رسوا کرنے سے گریز کرنا چاہیے، اور اگر کبھی کبھار وہ روکنے کے باوجود نافرمانی کے راستہ پر چلنے سے باز نہ آئیں تو ان کے ساتھ ناراضگی کے اظہار کے لیے تین دن تک گفتگو کرنا چھوڑ دیں اور تین دن کی شرط اس لئے ہے کہ تین دن سے زیادہ ناراضگی شرعاً جائز نہیں ہے۔

۴۔ بچوں کو خاموشی کے ساتھ اذان سننے اور موذّن کے ساتھ جواب میں انہی کلمات کو دہرانے کے لیے کہا جائے اور جب اذان ختم ہو جائے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف پڑھنے کے بعد مندرجہ ذیل دعائے وسیلہ پڑھنے کی ہدایت کی جائے:

(اللّٰهُمَّ رَبَّ هَذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ ،وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ، آتِ مُحَمَّدًا الْوَسِيلَةَ وَالْفَضِيلَةَ، وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُودًا الَّذِي وَعَدْتَهُ۔(رواہ البخاري)

”اے اللہ! اس پوری پکار کے رب اور کھڑی ہونے والی نماز کے مالک! محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مقام وسیلہ اور فضیلت عطا فرما اور آپ کو (شفاعت کے) مقام محمود پر سرفراز فرما جس کا تو نے ان سے وعدہ کر رکھا ہے۔

۵۔ اگر ممکن ہو تو ہمیں ہر بچے کے لیے علیحدہ بستر کا انتظام کرنا چاہیے ورنہ ہر ایک کے لیے کم از کم علیحدہ لحاف تو ضرور ہونا چاہیے اور اگر گھر میں لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے علیحدہ علیحدہ کمروں کا بندوبست ہو جائے تو یہ بہت ہی بہتر ہو گا، یہ طریقۂ کار یقیناً ان کے اخلاق کی درستگی اور ان کی صحت کی حفاظت کا ضامن ہو گا۔

۶۔ بچے کو اس بات کی عادت ڈالی جائے کہ راستے میں کسی گندی چیز کے پھینکنے سے باز رہے بلکہ اگر وہاں کوئی ایسی چیز ہو تو اس کو ہٹا دیا کرے۔

۷۔غلط کار دوستوں کی رفاقت کے اثراتِ بد سے بچوں کو آگاہ کیا جانا چاہیے اور بازار اور گلیوں میں فضول کھڑے رہنے سے ان کو روکا جائے اور اس کے لیے ان کی کڑی نگرانی ہونی چاہیے۔

۸۔جب بھی بچوں کے ساتھ آپ کا آمنا سامنا ہو چاہے گھر کے اندر ہو یا سرراہ پر، یا کلاس روم میں ۔۔۔تو آپ ان کو مندرجہ ذیل الفاظ میں سلام کہیں (السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ) یعنی تم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلامتی، اس کی رحمت اور اس کی برکات نازل ہوں۔

۹۔بچے کو اس بات کی تلقین کرتے رہیے کہ وہ پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے اور اپنی کسی حرکت سے ان کا دل نہ دکھائے۔

۱۰۔بچے کو ایسی عادت ڈالیں کہ وہ مہمان کی عزّت وتکریم میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھے، اور اس کی خدمت وتواضع میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرے۔

بچوں کی تربیت کیلئے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ذیل کے ہدایات کو ضرور اپنائیںؒ

(۱)عورتوں میں عادت ہے کہ بچوں کو جن بھوت اور دوسری ڈراونی چیزوں سے ڈراتی ہیں یہ بہت غلط بات ہے اس سے بچے کا دل کمزور ہوتا ہے۔

(۲)ماں کو چاہئے بچے کو باپ سے ڈراتی رہے۔

(۳)اگر لڑکا ہو تو اسکے سر پر بال مت بڑھاؤ اور اگر لڑکی ہے تو جب تک پردے میں بیٹھنے کے قابل نا ہو جائے زیور مت پہناؤ۔اس سے ایک تو جان کا خطرہ رہتا ہے اور دوسری بات کہ بچپن سے ہی زیور کا شوق دل میں ہونا اچھی بات نہیں۔

(۳) بچوں کے ہاتھوں سے غریبوں کو کھانا، کپڑا پیسہ اور ایسی چیزیں دلوایا کریں۔ اسی طرح کھانے پینے کی چیزیں انکے بھائی بہنوں کو یا اور بچوں کو تقسیم کرایا کرو تاکہ آپکے بچوں میں سخاوت کی عادت ہو۔

(۴) زیادہ کھانے والے کی برائی بچوں کے سامنے کیا کرو لیکن نام لیکر نہیں کہ فلاں زیادہ کھاتا ہے بلکہ اس طرح کے جو زیادہ کھاتے ہیں لوگ اسے حبشی کہتے ہیں بیل جانتے ہیں۔

(۵) اگر لڑکا ہو تو سفید کپڑے کی رغبت اسکے دل میں پیدا کیجئے اور رنگین لباس سے اسکو نفرت دلائیں کہ ایسے کپڑے لڑکیاں پہنتی ہیں تم ماشاءاللہ مرد ہو۔ ہمیشہ اسکے سامنے ایسی باتیں کیا کریں۔

(۶) اگر لڑکی ہو تو بہت تکلف کے کپڑوں کی اسے عادت مت ڈالئے۔

(۷) بچوں کی سب ضدیں پوری مت کریں۔ اس سے بچے کا مزاج بگڑ جاتا ہے۔

(۸) چلّا کر بولنے سے روکیں خاص طور پر اگر لڑکی ہے تو چلّانے پر خوب ڈانٹئے۔ ورنہ بڑی ہو کر پختہ عادت ہو جائے گی۔

(۹) جن بچوں کی عادتیں خراب ہیں یا پڑھنے لکھنے سے بھاگتے ہیں یا تکلف کے کھانے کے اور کپڑے کے عادی ہیں، گالم گلوچ کرتے ہیں انکے ساتھ بیٹھنے سے اور ساتھ کھیلنے سے انکو بچائیں۔

(۱۰) ان باتوں سے نفرت دلاتے رہو، غصہ، جھوٹ بولنا، کسی کو دیکھ کر جلنا یا حرص کرنا، چوری کرنا، چغلی کھانا، بے فائدہ بہت باتیں کرنا۔ بے بات ہنسنا یا زیادہ ہنسنا، دھوکہ دینا، بھلی بری بات کا نا سوچنا۔ اور جب ان میں سے کوئی بات ہو جائے تو فوراً اسکو روکیں اور اس پر تنبیہ کیجئے۔

(۱۱) اگر کوئی چیز توڑ پھوڑ دے یا کسی کو مار بیٹھے تو بچے کو مناسب سزا دو تا کہ پھر ایسا نہ کرے۔ایسی باتوں میں پیار دلار بچے کو کھو دیتا ہے۔

(۱۲) بچہ جب سات برس کا ہو جائے تو نماز کی عادت ڈالو۔جب مکتب میں جانے کے قابل ہو جائے تو اول قرآن مجید پڑھوائیں۔

(۱۳) بہت سویرے مت سونے دیں۔اور جلدی اٹھنے کی عادت ڈالیں۔

(۱۴) کبھی کبھی بچوں کو نیک لوگوں کی حکایتیں سنایا کیجئے۔

(۱۵) انکو ایسی کتابیں مت دیکھنے دو جن میں عاشقی معشوقی کی باتیں ہوں یا بے ہودہ قصے اور غزلیں وغیرہ ہوں۔

(۱۶) مکتب سے آنے کے بعد بچے کو کسی قدر دل بہلانے واسطے کچھ دیر کھیلنے دو تا کہ اسکی طبعیت کند نہ ہو جائے۔لیکن کھیل ایسا ہو جس میں کوئی گناہ نا ہو اور چوٹ لگنے کا اندیشہ نہ ہو۔

(۱۷) آتش بازی، یا باجہ یا فضول چیزیں مول لینے کے لئے پیسے مت دو اور کھیل تماشے دکھانے کی عادت مت ڈالیں۔

(آج کے دور کے اعتبار سے بے مقصد موبائل وہ بھی اسمارٹ فونز، ویڈیو گیمز، ایسے کھیل جن سے صحت کا نقصان ہو اور صرف پیسوں کا ضیاع ہو، اپنے گلی محلے، اسکولز، کالجز یا یونیورسٹیز کے ایسے دوستوں اور سہیلیوں کے ساتھ گھومنے کے لیے پیسے اور اجازت دینا وغیرہ سب شامل ہیں۔)

(۱۹) اولاد کو ضرور کوئی ایسا ہنر سکھلا دیں جس سے ضرورت اور مصیبت کے وقت چار پیسے حاصل کر کے اپنا اور اپنے بچوں کا گذارہ کر سکے۔

(۲۰) لڑکیوں کو کم از کم اتنا لکھنا پڑھنا ضرور سکھائیں کہ ضروری خطوط اور گھر کا حساب کر سکیں۔

(۲۱) بچوں کو عادت ڈالئے کہ اپنا کام اپنے ہاتھ سے کریں۔ اپاہج اور سست نہ ہو جائیں۔ انہیں کہیں رات کو اپنا بستر خود بچھائیں اور صبح اٹھ کر خود تہہ کر کے احتیاط سے رکھ دیں۔

(۲۲) لڑکیوں کو ہدایات دیں کہ جو کام کھانے پکانے، سینے پرونے کپڑے رنگنے کے ہیں انہیں نہایت دل لگا کر سیکھیں۔

(۲۳) جب بچے سے کوئی اچھی بات ظاہر ہو تو لازمی اسے شاباش دو، پیار کریں اور کچھ انعام دیں تاکہ اسکا دل بڑھے اور جب کوئی بری بات دیکھو تو بچے کو تنہائی میں سمجھائیں کہ دیکھو اچھے نیک لوگ ایسا کام نہیں کرتے اور کرنے والے کو لوگ برا جانتے ہیں۔ اور اگر بچہ دوبارہ غلط عمل دہرائے تو بچے کو مناسب سزا دیں۔

(۲۴) بچے کو کوئی بھی کام چھپا کر مت کرنے دیں۔ کھیل ہو یا کھانا ہو یا شغل کا کوئی بھی کام ہو۔

(۲۵) کوئی کام محنت کا اس کے ذمہ مقرر کریں جس سے صحت اور ہمت رہے سستی نہ آنے پائے۔

(۲۶) بچوں کو چلنے میں تاکید کریں کہ بہت جلدی نا چلیں اور چلتے ہوئے نگاہ اوپر اٹھا کر نہ چلے۔

(۲۷) اسکو عاجزی اختیار کرنے کی عادت ڈالیں، زبان سے، چال سے اور برتاؤ سے۔ شیخیاں نہ مارے۔

(۲۸) بچے کو کچھ پیسے دیا کرو کہ اپنی مرضی کے موافق خرچ کیا کرو۔ مگر اسکو یہ عادت ڈالو کہ آپ سے چھپا کر کچھ نہ خریدے۔

بچوں کی پرورش میں مصیبتیں جھیلنے اور دُودھ پلانے پر فضیلت وثواب

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِرشاد فرمایا عورت اپنی حالتِ حمل سے لے کر بچہ جننے اور دُودھ چھڑانے تک فضیلت وثواب میں ایسی ہے جیسے اِسلام کی راہ میں سرحد کی نگہبانی کرنے والا (جس میں ہر وقت وہ مجاہدہ کے لیے تیار رہتا ہے) اور اگر (عورت) اِس درمیان میں مرجائے تو اُس کو شہید کے برابر ثواب ملتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب عورت بچہ کو دُودھ پلاتی ہے تو ہر گھونٹ کے پلانے پر اُس کو ایسا اَجر ملتا ہے جیسے کسی جاندار کو زندگی دے دی پھر وہ جب دُودھ چھڑاتی ہے تو فرشتہ اُس کے کندھے پر (شاباشی سے ہاتھ) مارتا ہے اور کہتا ہے کہ پچھلے گناہ سب معاف ہو گئے، اَب آگے جو گناہ کا کام ہوگا وہ آئندہ لکھا جائے گا اور اِس سے مراد گناہِ صغیرہ ہیں، مگر گناہِ صغیرہ کا معاف ہو جانا کیا تھوڑی بات ہے۔

عورت کے ایام حمل کا ثواب اور حمل ساقط ہو جانے اور زچہ بچہ کے مرجانے کی فضیلت واجر کا بیان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِرشاد فرمایا جو عورت کنوارے پَنے کی حالت میں یا حمل میں بچہ جننے کے وقت یا چلّے کے دنوں میں مرجائے اُس کو شہادت کا درجہ ملتا ہے۔ (بہشتی زیور)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِرشاد فرمایا جو حمل گر جائے وہ بھی اپنی ماں کو گھسیٹ کر جنت میں لے جائے گا جبکہ ثواب سمجھ کر صبر کرے۔ (بہشتی زیور)

☆رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِرشاد فرمایا جس عورت کے تین بچے مر جائیں اور وہ ثواب سمجھ کر صبر کرے تو جنت میں داخل ہوگی۔ایک عورت بولی یا رسول اللہ! جس کے دو ہی بچے مرے ہوں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا دَو کا بھی یہی ثواب ہے۔ایک روایت میں ہے کہ ایک صحابی نے ایک بچے کے مرنے کو پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِس میں بھی بڑا ثواب بتلایا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں سے اِرشاد فرمایا کیا تم اِس بات پر راضی نہیں (یعنی راضی ہونا چاہیے) کہ جب تم میں کوئی اپنے شوہر سے حاملہ ہوتی ہے اور وہ شوہر اِس سے راضی ہو تو اُس کو ایسا ثواب ملتا ہے جیسا کہ اللہ کی راہ میں روزہ رکھنے والے اور شب بیداری کرنے والے کو ملتا ہے۔اور جب اُس کو دردِ زِہ ہوتا ہے تو آسمان اور زمین کے رہنے والوں کو اِس کی آنکھوں کی ٹھنڈک یعنی راحت کا جو سامان مخفی رکھا گیا ہے اُس کی خبر نہیں۔پھر جب وہ بچہ جنتی ہے تو اُس کے دُودھ کا ایک گھونٹ بھی نہیں نکلتا اور اُس کی پستان سے ایک دفعہ بھی بچہ نہیں چوستا جس میں اُس کو ہر گھونٹ اور ہر چوسنے پر ایک نیکی نہ ملتی ہو (یعنی ہر مرتبہ نیکی ملتی ہے) اور اگر بچہ کے سبب اُس کو رات کو جاگنا پڑے تو اُس کو راہِ خدا میں ستر غلاموں کے آزاد کرنے کا اَجر ملتا ہے۔(کنزالعمال)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک عورت حاضر ہوئی،اُس کے ساتھ دو بچے تھے۔ایک کو گود میں لے رکھا تھا دُوسرے کو اُنگلی سے پکڑے ہوئے تھی۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھ کر اِرشاد فرمایا کہ یہ عورتیں پہلے پیٹ میں بچے کو رکھتی ہیں پھر جنتی ہیں پھر اِن کے ساتھ کس طرح محبت اور مہربانی کرتی ہیں۔اگر ان کا برتاؤ شوہروں سے برا نہ ہوتا تو اِن میں جو نماز کی پابند ہوتی ہیں سیدھی جنت میں چلی جایا کرتیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِرشاد فرمایا جو عورت بیوہ ہو جائے اور خاندانی بھی ہو ، مالدار بھی ہو لیکن اُس نے اپنے بچوں کی خدمت اور پرورش میں لگ کر اپنا رنگ میلا کر دیا یہاں تک کہ وہ بچے یا تو بڑے ہو کر الگ رہنے لگے یا مر مرا گئے تو ایسی عورت جنت میں مجھ سے ایسی نزدیک ہو گی جیسے کلمہ والی اُنگلی اور بیچ کی اُنگلی۔

فائدہ: اِس سے مراد وہ عورت ہے جس کو نکاح کی خواہش قطعاً نہ ہو ورنہ بیوہ کو بھی نکاح کرنا ضروری ہے۔

اللہ نے بچوں کی محبت ماں باپ کے دلوں میں کیوں پیدا کی

بچے جو گوہ کا ڈھیر اور موت کی پوٹ ہیں۔ اُن کی پرورش بغیر قلبی داعیہ (اور جذبہ) کے ہو ہی نہیں سکتی۔ بچے تو ہر وقت اپنی خدمت کراتے ہیں، خود خدمت کے لائق نہیں اُن کی حرکتیں بھی مجنونانہ (پاگل پن کی سی ہوتیں) ہیں مگر حق تعالیٰ نے ایسی محبت پیدا کر دی ہے کہ اُن کی مجنونانہ حرکت بھی بھلی معلوم ہوتی ہیں حتیٰ کہ بعض دفعہ وہ کبھی خلاف تہذیب کام کرتے ہیں جس پر سزا دینا عقلاً ضروری ہوتا ہے مگر بچوں کے متعلق عقلمندوں میں اِختلاف ہو جاتا ہے، ایک کہتا ہے سزا دی جائے دُوسرا کہتا ہے نہیں بچے ہیں اِن سے ایسی غلطی ہو ہی جاتی ہے معاف کر دینا چاہیے۔ غرض اپنے بچوں کو تو کیوں نہ چاہیں، دُوسرے کے بچوں کو دیکھ کر پیار آتا ہے اور اُن کی حرکتیں اچھی معلوم ہوتی ہیں۔ اگر یہ محبت کا تقاضا اور داعیہ نہ ہو تو راتوں کو جاگنا اور گوہ موت کرانا دشوار ہو جاتا۔ کسی غیر کی بچے کی خدمت کر کے دیکھو تو حقیقت معلوم ہو

جائے گی۔ گو خدا کا خوف کر کے تم روزانہ اُس کی خدمت کردو مگر دِل میں ناگواری ضرور ہوگی۔ غصّہ بھی آئے گا سوتیلی اَولاد کی خدمت اِس لیے گراں ہوتی ہے کہ اِس کے دِل میں اُن کی محبت نہیں ہوتی۔ چونکہ اَولاد کی محبت بغیر محبت کے دُشوار تھی اِس لیے حق تعالیٰ نے اولاد کی محبت والدین کے دِل میں ایسی پیدا کردی کہ اَب وہ اُس کی خدمت کرنے پر مجبور ہیں۔

اَولاد سے نام نہیں چلا کرتا بلکہ اللّٰہ کی فرمانبرداری سے نام چلتا ہے

حضرت حکیم الامتؒ نے فرمایا: (لوگوں کو) اَولاد کی تمنا اِس لیے ہوتی ہے کہ نام باقی رہے گا (خاندان اور سلسلہ چلے گا)۔ تو نام کی حقیقت سن لیجئے کہ ایک مجمع میں جا کر ذرا لوگوں سے پوچھئے تو بہت سے لوگوں کو پردادا کا نام معلوم نہ ہوگا۔ جب خود اَولاد ہی کو اپنے پردادا کا نام معلوم نہیں تو دُوسروں کو خاک معلوم ہوگا؟ تو بتلایئے اَولاد والوں کا بھی نام کہاں رہا۔

صاحبو! نام تو خدا کی فرمانبرداری سے چلتا ہے۔ خدا کی فرمانبرداری کرو اُس سے نام چلے گا، اولاد سے نام نہیں چلا کرتا بلکہ اَولاد نالائق ہوئی تو اُلٹی بدنامی ہوتی ہے۔ اور نام چلا بھی تو نام چلنا ہی کیا چیز ہے جس کی تمنا کی جائے۔ یوں کسی کو طبعی طور پر اَولاد کی تمنا بھی ہو تو میں اُس کو برا نہیں کہتا کیونکہ اَولاد کی محبت اِنسان میں طبعی (فطری) ہے چنانچہ بعض لوگ جنت میں بھی اَولاد کی تمنا کریں گے حالانکہ وہاں نام کا چلنا بھی مقصود نہ ہوگا۔ کیونکہ جنت کے رہنے والے کبھی ختم نہ ہوں گے بلکہ وہاں اِس تمنا کا منشاء (سبب) محض طبعی تقاضا ہوگا، تو میں اِس سے منع نہیں کرتا۔

مقصود صرف یہ ہے کہ اِس طبعی تقاضے کی وجہ سے عورت کی خطاء نکال لینا کہ تیرے اَولاد

نہیں ہوتی یا لڑکیاں ہی ہوتی ہیں، بڑی غلطی ہے۔ اور اِس قسم کی غیر اختیاری جرائم نکال کر اُن سے خفا ہونا اور اُن پر زیادتی کرنا ممنوع (اور ناجائز) حرام ہے اِس میں اُن بیچاریوں کی کیا خطاء ہے جو ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔ (حقوق البیت ص ۳۹)

یہ تو نہایت سخت غلطی ہے مثلاً بعض لوگ بیوی سے کہتے ہیں کہ کمبخت تیرے کبھی اولاد ہی نہیں ہوتی تو اِس میں وہ بیچاری کیا کرے۔ اَولاد کا ہونا کسی کے اِختیار میں تھوڑی ہے بعض دفعہ بادشاہوں کے اَولاد نہیں ہوتی حالانکہ وہ ہر قسم کی مقوی غذائیں اور (حمل والی) دوائیں بھی اِستعمال کرتے ہیں مگر پھر بھی خاک اَثر نہیں ہوتا۔ یہ تو محض اللہ تعالیٰ کے قبضہ و اِختیار کی بات ہے اِس میں عورتوں کا کیا قصور ہے۔

بعض مردوں کو ہم نے دیکھا ہے کہ وہ بیوی سے اِس بات پر خفا ہوتے ہیں کہ کم بخت تیرے تو لڑکیاں ہی لڑکیاں ہوتی ہیں۔ سو اوّل تو اِس میں اُس کی کیا خطاء ہے۔ اطباء (ڈاکٹروں) سے پوچھو تو وہ شاید اِس میں آپ ہی کا قصور بتلائیں۔ دُوسرے یہ ناگواری کی بات بھی نہیں۔

اولاد کا ہونا بھی نعمت اور نہ ہونا بھی نعمت ہے

یاد رکھو! جس طرح اَولاد ہونا نعمت ہے اِسی طرح نہ ہونا بھی نعمت ہے بلکہ جس کے نہ ہوئی ہو یا جس کے ہو کر مر گئی ہو اُس کو اَور بھی زیادہ شکر کرنا چاہیئے۔

صاحبو! آج کل کی تو اَولاد عموماً خدا سے غافل رہنے والی ہوتی ہے۔ پس جس کے نہ ہو وہ شکر کرے کہ اللہ تعالیٰ نے سب فکروں سے آزاد کیا ہے اُن کو چاہیے کہ اطمینان سے اللہ تعالیٰ کو یاد کریں۔ بعض لوگوں کے لیے اَولاد عذابِ جان ہو جاتی ہے جیسے منافقین کے بارے میں اللہ تعالیٰ اِرشاد فرماتے ہیں:

وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ۔ (سورہ توبہ)

اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ کو اِن کے مال اوراَولاد اچھے معلوم نہ ہوں اللہ تعالیٰ تو یہ چاہتے ہیں کہ اِن مالوں اوراَولادوں کی وجہ سے اُن کو اِس دُنیا میں عذاب دیں۔

واقعی بعض لوگوں کے لیے اَولاد وَبالِ جان ہی ہو جاتی ہے۔ بچپن میں تو اُن کے پیشاب پاخانہ میں نمازیں برباد کرتے ہیں۔ جب بڑے ہو جاتے ہیں تو اُن کے لیے طرح طرح کی فکریں ہو جاتی ہیں کہ اِن کے لیے جائداد ہو روپیہ ہو اور گھر ہو خواہ دین رہے یا نہ رہے لیکن جس طرح بن پڑے گا اِن کے لیے دُنیا سمیٹیں گے اور ہر وقت اِسی دھُن میں رہیں گے۔ حلال وحرام میں بھی کچھ تمیز نہ کریں گے پس ایسی اَولاد کا نہ ہونا ہی نعمت ہے جن لوگوں کے اَولاد نہیں اُن پر خدا کی بڑی نعمت ہے اگر اَولاد ہوتی تو اُن کی کیا حالت ہوتی۔

جن کی صرف لڑکیاں ہی لڑکیاں ہوں اُن کی تسلی کے لیے ضروری مضمون

حضرت خضر علیہ السلام کا واقعہ

حضرت خضر علیہ السلام نے جس لڑکے کو قتل کر دیا تھا اُس کے لیے اور اُس کے والدین کے لیے (اِس میں بڑی) مصلحت بھی تھی۔

روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس لڑکے کے قتل ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اُس کے والدین کو ایک لڑکی دی جس کی اَولاد میں انبیاء علیہم السلام پیدا ہوئے۔ تو بتلایئے اگر آگے لڑکا ہوتا اور ویسا ہی ہوتا جیساوہ لڑکا تھا جسے حضرت خضر علیہ السلام نے مار ڈالا تھا تو آپ کیا کر لیتے۔

یہ خدا کی بہت بڑی مصلحت ہے کہ اُس نے آپ کو لڑکیاں دیں کیونکہ عموماً لڑکیاں خاندان

کو بدنام نہیں کیا کرتیں اور وَالدین کی اِطاعت بھی خوب کرتی ہیں اَور لڑکے تو آج کل ایسے آزاد ہوتے ہیں کہ خدا کی پناہ! اُن کے ہونے سے تو نہ ہونا ہی بھلا تھا۔اَب آج کل اگر حضرت خضر علیہ السلام ایسے کو نہیں مارتے تو اللہ میاں تو ذبح کر سکتے ہیں اَور اللہ کا پیدا نہ کرنا (یا پیدا کر کے موت دے دینا) یہ بھی ایک گونہ ذبح کرنے کے مثل ہے۔اور جس کو اللہ تعالیٰ کچھ بھی اَولاد نہ دیں نہ لڑکا نہ لڑکی اُس کے لیے یہی مصلحت ہے کیونکہ بندوں کے مصلحتوں کو اُن سے زیادہ اللہ جانتے ہیں (دیکھیے آج ایک شخص بے فکری سے دین کے کام میں لگا ہوا ہے کیونکہ اُس کے اَولاد نہیں)۔

جو بچہ مر جائے اس میں بھی اللہ کی بڑی حکمت ہوتی ہے

حضرت خضر اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ قرآن مجید میں مذکور ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے ایک بچہ کو قتل کر دیا تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ نے یہ کیا کیا کہ ایک بے گناہ بچہ کو مار ڈالا۔اور حضرت خضر علیہ السلام نے پہلے ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے ساتھ رکھنے کی یہ شرط کر لی تھی کہ میرے کسی فعل پر اعتراض نہ کرنا اِس لیے اُنہوں نے فرمایا کہ میں نے تم سے پہلے ہی کہہ دیا تھا تم سے صبر نہ ہو سکے گا۔

اِس کے بعد اِس واقعہ کی یہ حکمت بیان فرمائی کہ اِس لڑکے والدین مؤمن ہیں اور لڑکا بڑا ہو کر کافر ہوتا۔اور اُس کی محبت سے اُس کے ماں باپ بھی کافر ہو جاتے اِس لیے اِرادہ الٰہی یہ ہوا کہ اُس کا پہلے ہی خاتمہ کر دیا جائے اور اِس کے بدلے نیک اَولاد اُن کو ملے۔

اِس قصہ سے معلوم ہوا کہ جو بچے بچپن میں مر جاتے ہیں اُن کا مر جانا ہی بہتر ہوتا ہے۔اِسی واسطے جو دیندار ہیں اُن کو اَولاد کے مر جانے کا غم تو ہوتا ہے لیکن پریشان نہیں ہوتے جو شخص

اللہ تعالیٰ کو حکیم سمجھے گا وہ کسی واقعے سے پریشان نہ ہوگا۔ ہاں جس کی اُس پر نظر نہیں اُس پر اگر کوئی واقعہ ہوتا ہے مثلاً کوئی بچہ مر جاتا ہے اُس کو بڑا اُتار چڑھاؤ ہوتا ہے کہ اگر زندہ رہتا تو ایسا ہوتا۔ دِل کے اندر سے شعلے اُٹھتے ہیں اَرمان ہوتے ہیں۔ حسرتیں ہوتی ہیں کہ ہائے ایسی لیاقت کا تھا ایسا تھا ویسا تھا۔

صاحبو! تم کو کیا خبر کہ وہ کیسا تھا؟ غنیمت سمجھو اِسی میں مصلحت تھی ممکن ہے کہ بڑا ہو کر کافر ہوتا۔ اور تم کو کافر بنا دیتا۔ (الدنیا ملحقہ دُنیا وآخرت)

چھوٹے بچوں کی موت ہو جانے کے فوائد اور اُس کی حکمتیں

چھوٹے بچے کی موت میں ایک حکمت یہ ہے اگر وہ پیشِ نظر رہے تو چھوٹے بچوں کے مرنے پر غم کے ساتھ خوشی کا ایک پہلو سامنے ہوگا۔ لوگوں کو اَولاد کے بڑے ہونے کی خوشی محض اِس لیے ہے کہ اُن کا نفس یوں ہی چاہتا ہے ورنہ اُن کو کیا خبر کہ کہ بڑے ہو کر یہ کیسا ہوگا والدین کی راحت کا ذریعہ ہوگا یا وبالِ جان ہوگا۔ اور پھر وہ بڑے ہو کر مرے تو یہ خبر نہیں کہ وہ والدین کو آخرت میں کچھ نفع دے گا یا خود ہی سہارے کا محتاج ہوگا۔ اور بچپن میں مرنے والے بچے بہت کار آمد ہیں اُن میں یہ احتمال ہی نہیں کہ وہ آخرت میں نہ معلوم کس حال میں ہوں گے کیونکہ غیر مکلف بچے یقیناً مغفور لہ بخشے بخشائے ہیں اور وہ آخرت میں والدین کے بہت کام آئیں گے۔

حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بچے جنت میں جانے سے پہلے آخرت میں بھی بچے ہی رہیں

گے اور اُن کی عادتیں بھی بچوں کی ہوگی یعنی وہی ضد کرنا اور اپنی بات پر اَڑ جانا پیچھے پڑ جانا لیکن یہ حالت جنت میں داخل ہونے سے پہلے ہوگی پھر جنت میں پہنچ کر باپ بیٹے سب برابر ایک قد کے ہو جائیں گے۔ حدیث میں آیا ہے کہ بچے اَڑ جائیں گے اور اللہ تعالیٰ سے کہیں گے کہ ہم جنت میں نہ جائیں گے جب تک ہمارے ماں باپ کو ہمارے حوالے نہ کیا جائے۔ ہم تو اُن کو ساتھ لے کر جنت میں جائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اَیُّهَا الطِّفْلُ الْمُرَاغِمُ رَبَّه اَدْخِلْ اَبَوَيْکَ کہ اے ضدی بچے اپنے خدا سے ضد کرنے والے جا اپنے والدین کو بھی جنت میں لے جا، تو یہ بے گناہ بچے اللہ تعالیٰ سے خود ہی بخشش کے لیے ضد کریں گے۔ اور اگر بچہ بڑا ہو کر مر جائے تو حضرت خضر علیہ السلام کا واقعہ یاد کر کے دل کو سمجھا لو نہ معلوم اِس میں کیا حکمت ہوگی۔ شاید اگر یہ زندہ رہتا تو دین کو بگاڑ لیتا یا دُنیا میں وبالِ جان ہوتا۔ اِس کے بعد اَحادیث میں مصائب وحوادث کی جو تفصیلی حکمتیں مذکور ہیں نیز اُن پر جو ثواب بتلایا گیا ہے اُن کو پیشِ نظر رکھیں اِنشاءاللہ غم بہت کم ہو جائے گا۔

بس حاصل یہ ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ اَولاد دیں اُس کے لیے یہی اچھا ہے اور جس کو نہ دیں اُس کے لیے یہی اچھا ہے اَور اگر کسی کے بالکل ہی اَولاد نہ ہو تو یہ سمجھے کہ میرے لیے اِسی میں حکمت ہے، نہ معلوم اَولاد ہوتی تو کن کن مصیبتوں کا سامنا ہوتا۔ اور جس کو اللہ تعالیٰ اَولاد دے کر چھین لیں اُس کے لیے اِس میں مصلحت ہے لِلّٰهِ مَا اَخَذَ وَمَا اَعْطٰى کا یہی مطلب ہے جو حدیث میں مصیبتوں کی تسلی کے لیے آیا ہے۔ اور یہی مطلب ہے اِنَّا لِلّٰهِ کا اور اس میں (مذکورہ تدبیر) واعتقاد کو صبر کے پیدا کرنے میں بڑا دخل ہے۔ اِنَّا لِلّٰهِ کے مضمون کو صبر حاصل کرنے میں بہت بڑا دخل ہے یہی وہ مضمون ہے کہ جس کی وجہ سے حضرت اُم سلیم صحابیہ نے کامل صبر فرمایا اور اپنے شوہر کو بھی صابر بنایا۔ (الاجر النبیل ملحقہ فضائل صبر وشکر)

ایک اللہ والے کی حکایت

ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ اُنہوں نے جوانی میں نکاح نہ کیا تھا اور بے نکاح رہنے ہی کی نیت کی تھی۔ ہر چند مریدوں نے عرض بھی کیا کہ شادی کر لیجئے مگر آپ نے منظور نہیں کیا۔ ایک دفعہ دوپہر کو سو کر اُٹھے تو اُسی وقت تقاضا کیا کہ میرا نکاح کرو۔ مریدوں نے فوراً اِس کی تکمیل کی۔ ایک مرید نے اپنی لڑکی سے نکاح کر دیا آپ نکاح کے حقوق اَدا کرتے رہے یہاں تک کہ ایک لڑکا بھی پیدا ہوا اَور کچھ دنوں کے بعد مر گیا۔ تو آپ نے فرمایا الحمد للہ مراد حاصل ہو گئی اور بیوی سے کہا کہ اَب مجھے تیری ضرورت نہیں میرا جو مقصود تھا پورا ہو گیا۔ اَب اگر نکاح کا لطف حاصل کرنا چاہے تو میں طلاق دے کر کسی جوان صالح سے نکاح کر دُوں اور اگر میرے پاس رہنا چاہے تو کھانے پینے کی تیرے واسطے کمی نہیں مگر حقوقِ نکاح کا مطالبہ نہ کرنا۔ وہ لڑکی بھی نیک تھی اُس نے کہا مجھے تو صرف آپ کی خدمت مقصود ہے اور کچھ مطلوب نہیں۔

خدام کو یہ بات سن کر حیرت ہوئی کہ پہلے تو اِس تقاضے سے نکاح کیا تھا اَور اَب طلاق دینے کو آمادہ ہو گئے۔ خدام نے (اُن بزرگ سے) اِس کا سبب پوچھا۔ فرمایا کہ میں نے نکاح کا تقاضا کسی نفسانی ضرورت کی وجہ سے نہیں کیا تھا بلکہ اُس کی منشاء (سبب) یہ تھا کہ میں نے خواب دیکھا تھا کہ میدانِ قیامت برپا ہے اور لوگ پل صراط سے گزر رہے ہیں جو دوزخ کے اُوپر بچھا ہوا ہے۔ پھر میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ پل صراط سے گزرتے ہوئے اُس کے قدم ڈگمگائے اور قریب تھا کہ جہنم میں جا گرے کہ اچانک ایک بچہ نے آ کر اُس کو سنبھالا اور مضبوطی کے ساتھ اُس کا ہاتھ پکڑ کر بجلی کی طرح پل صراط سے پار لے گیا۔ میں نے فرشتوں سے پوچھا کہ یہ بچہ کون تھا کہا کہ اُسی شخص کا بیٹا تھا بچپن میں انتقال ہو گیا تھا آج اُس کا سفارشی

ہوگیا۔خواب سے بیدار ہوکر مجھے فکر ہوئی کہ میرے پاس آخرت کی اَور جائدادیں تو ہیں یعنی عبادتیں نماز روزہ وغیرہ مگر یہ جائداد نہیں اس لیے میں نے چاہا کہ یہ جائداد بھی پاس ہونا چاہیے۔ چنانچہ نکاح ہوا اور بچہ پیدا ہوکر مرگیا تو اُن کا مقصود حاصل ہوگیا۔(الاجر النبیل فضائل صبر وشکر)

بچوں کے مرنے پر مغفرت اور جنت میں محل کا وعدہ

حدیث میں آتا ہے کہ جب کسی مسلمان کا بچہ مرتا ہے تو ملائکہ اُس کی رُوح کو لے کر آسمان پر پہنچتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اُن سے اِرشاد فرماتے ہیں کہ تم نے میرے بندے کے بچہ کو لے لیا؟ وہ کہتے ہیں کہ اے اللہ ہاں۔ پھر فرماتے ہیں کیا تم نے میرے بندے کے جگر گوشہ کو لے لیا؟ وہ کہتے ہیں کہ اے اللہ ہاں۔ پھر فرماتے ہیں میرے بندہ نے کیا کہا۔فرشتے عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ اُس نے آپ کی حمد (یعنی آپ کا شکر اَدا کیا) اور صبر کیا۔اِس پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ گواہ رہو میں نے اپنے بندہ کو بخش دیا اور فرمایا اُس کے لیے جنت میں ایک محل تیار کرو اَور اُس کا نام " بَيْتُ الْحَمْدْ" رکھو۔ یہ چھوٹوں کے مرنے پر وعدہ ہے جس سے ثابت ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ بچوں کے مرنے پر نعم البدل (یعنی اچھا بدلہ) عطا فرماتے ہیں یعنی مغفرت اور جنت کا محل۔

بچے اور بچیوں کے نام اچھے رکھئے اور کسی عالم سے پوچھ کر رکھئے

اسلام دین فطرت ہے جو انسانی زندگی کے تمام افعال واعمال اور اقوال واحوال پر محیط ہے اور انسانی عظمت کا نقیب ہے اور زندگی کے ہر شعبہ میں اس کی صالحانہ رہنمائی موجود ہے، نومولود بچوں کے اچھے معنیٰ دار نام تجویز کرنے مہمل اور بے معنیٰ ناموں سے احتراز کرنے کے

سلسلہ میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متعدد احادیث شاہد عدل ہیں، چند حدیثیں ملاحظہ فرمائیں:

عن ابی الدرداء رضی الله تعالی عنه قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم انکم تدعون یوم القیٰمةِ باسمائکم واسماء آبائکم فأحسنوا اسمائکم۔ (رواہ احمد، ابوداؤد، مشکوٰۃ: ۴۰۸)

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن تم اپنے اور اپنے آباء کے ناموں سے پکارے جاؤ گے لہٰذا اچھے نام رکھا کرو۔

عن ابن عباس قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم حق الولد علی الوالد ان یحسن اسمه و یحسن ادبه۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا باپ پر بچہ کا یہ بھی حق ہے کہ اس کا نام اچھا رکھے اور اس کو حسن ادب سے آراستہ کرے۔

عن ابی ہریرة قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم اول ما ینحل الرجل ولده اسمه فلیحسن اسمه۔ (رواہ ابوالشیخ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی سب سے پہلے تحفہ اپنے بچہ کو نام کا دیتا ہے اس لئے چاہئے کہ اس کا نام اچھا رکھے۔

عن ابی وہب الجُشمی قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم تسمّوا باسماء الانبیاء واحب الاسماء الی اللّٰه عبد اللّٰه و عبدالرحمٰن واصدقہا حارث وہمام واقبحہا حرب ومُرة۔ (ابوداؤد، ص:۶۷۶/ ۲، مشکوٰۃ: ۴۰۹)

حضرت ابوہب جشمی کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا انبیاء کے ناموں پر اپنے

نام رکھو، اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہترین نام عبداللہ وعبدالرحمن ہیں اور سب ناموں سے سچے نام حارث و ہمام ہیں اور سب سے برے نام حرب اور مُرہ ہیں۔

عن ابی ہریرۃ قال کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یستحب الاسم الحسن۔ (زادالمعاد)

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اچھے نام سے محبت رکھتے تھے۔

عن ابی سعید وابن عباس قالا قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من ولد لہ ولد فلیحسن اسمہ وادّبہ فاذا بلغ فلیزوجہ فان بلغ ولم یزوجہ فاصاب اثما فانما اثمہ علی ابیہ۔ (مشکوۃ،ص:۲۷۱)

حضرت ابوسعیدؓ اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب کسی کے یہاں بچہ پیدا ہو تو اس کا نام اچھا رکھے اور تعلیم وتربیت دے بالغ ہوجائے تو اس کی شادی کردے اور بالغ ہونے کے بعد شادی نہیں کی اور وہ لڑکا (یا لڑکی) کسی گناہ میں مبتلا ہوگیا تو اس کا گناہ باپ پر بھی ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان پاکیزہ تعلیمات وہدایات سے جس طرح بچوں کو حسن ادب سکھانے اور اچھی تربیت دینے کا سبق ملتا ہے اس کے ساتھ ہی بچوں کے اچھے نام تجویز کرنے کی اہمیت ونافعیت بھی بخوبی واضح ہوجاتی ہے، نام تجویز کرنے کا مقصد محض تعین اور پہچان نہیں؛ بلکہ مذہب کی شناخت اس سے وابستہ ہے، دین کے لئے علامت اور شعار ہے، فکر وعقیدہ کے اظہار کا ایک ذریعہ ہے اس لئے احادیث میں اس سلسلہ میں خصوصی ہدایات دی گئیں، اچھے دلکش اور بامعنی ناموں کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے اور ایسے ناموں سے منع کیا گیا ہے جو بھدے اور معنی ومفہوم کے اعتبار سے ناگوار ہوں جن سے شرک کی بو آتی ہو۔

اس وقت مسلم معاشرہ کی صورت حال زبوں تر ہے، جدت پسندی کا دور ہے، لوگ ایسے نئے نئے نام تجویز کرتے ہیں جو بے معنی اور مہمل ہوتے ہیں بلکہ ایسے نام نکلوانے کی فکر ہوتی ہے جو محلہ پڑوس اور آس پاس کے گاؤں دیہات اور اہل قرابت میں کسی کا نہ ہو، بلکہ کئی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ بعض لوگ ایسے ناموں کے معانی پوچھتے ہیں کہ لغۃً جن کا نہ کوئی مادہ ہوتا ہے اور نہ ماخذ اشتقاق، ظاہر ہے کہ ایسے مہمل الفاظ کے معانی لغت میں کیسے مل پائیں گے۔

بعض ناخواندہ لوگوں میں یہ رجحان بھی دیکھا گیا ہے کہ وہ نام قرآن سے تجویز کرنے کو خیر و برکت کا ذریعہ سمجھتے ہیں قطع نظر اس کے کہ معنی کیسے ہیں، چنانچہ ایک صاحب نے اپنی بچی کا نام رکھا "لِمَنْ تَشَآءُ" دوسرے صاحب کے بارے میں پتہ چلا کہ انھوں نے اپنی بیٹی کو "وَرِیْشًا" سے موسوم کیا، شہر مظفر نگر کے دیہات میں ایک عورت جو ذرا قرآن کریم پڑھنا جانتی تھی اس کے یہاں یکے بعد دیگرے تین بیٹیاں پیدا ہوئیں اس نے اپنے کو خواندہ سمجھتے ہوئے بچیوں کے نام تجویز کرنے کے لئے قرآن کریم سے "سورہ کوثر" کا انتخاب کیا چنانچہ بڑی بچی کا نام "کوثر" رکھا دوسری کا نام "وانحر" تجویز کیا، اور تیسری کا نام "ابتر" مقرر کیا۔ کوثر اور وانحر کے معنی تو بحیثیت نام کسی حد تک درست بھی ہیں لیکن آخری لفظ ابتر کے معنی بہت بدتر کے ہیں جو کسی بھی طرح مناسب نہیں۔

بہر حال حضرات اہل علم اور خدام دین پر یہ ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے کہ مسلم معاشرہ میں جو غیر اسلامی ناموں کا رواج ہوتا جارہا ہے اور دینی و علمی مزاج و مذاق کے رسالہ سے نام رکھنے کے بجائے ناول اور افسانوں کی کتابوں سے نام رکھنے کا رجحان بڑھ رہا ہے اس پر ہر صاحب علم اپنی حیثیت و صلاحیت کے موافق توجہ دے اور اسی پر زور دیا جائے کہ

مسلمانوں میں انبیاء کرام صحابہ عظام اور حضرات تابعین اہل علم وفضل کے ناموں کا سلسلہ بڑھے اور ایک متروک سنت کا احیاء ہو اور احادیث میں جو اچھے دلکش اور بامعنی نام کی حوصلہ افزائی کی گئی اور اس کے متعلق جو خصوصی ہدایات دی گئی ہیں ان پر عمل کرنے کا جذبہ عوام الناس میں بیدار ہو جیسا کہ ارشاد نبوی ہے کہ تم قیامت میں اپنے نام اور اپنے باپ کے نام سے پکارے جاؤ گے لہٰذا تم بہتر نام رکھا کرو۔ (ابوداؤد)

ظاہر ہے کہ میدان آخرت میں کوئی برے نام سے پکارا گیا تو اس بھرے مجمع میں بڑی رسوائی اور خفت ہوگی اس لئے وہ دن آنے سے پہلے ہی توجہ دی جائے اور نام کے انتخاب میں معنی ومفہوم کی ضرور رعایت رکھی جائے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اچھا نام سن کر بہت خوش ہوتے اور خوشی سے چہرہ انور دمکنے لگتا تھا اور ناپسند نام سے چہرہ مبارک پر ناگواری کے آثار ظاہر ہوجاتے، اگرچہ وہ کسی قبیلے، بستی یا شہر کا نام ہی کیوں نہ ہو، اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ میں رونق افروز ہونے کے بعد اس کا قدیم نام "یثرب" تبدیل کر دیا اور "مدینہ" تجویز فرمایا، حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی صحابی کو گورنر بنا کر کسی جگہ بھیجتے تو اس کا نام پوچھتے اگر پسندیدہ نام ہوتا تو خوش ہوتے اور ناپسندیدہ نام ہوتا تو ناگواری فرماتے اور اس کا اثر بھی چہرہ سے ظاہر ہوجاتا، ایسے ہی کسی بستی میں داخل ہوتے تو اس بستی کا نام پوچھتے اگر بہتر ہوتا تو خوش ہوتے اور خوشی کی کیفیت چہرۂ انور پر نمایاں ہوجاتی اور اگر اچھا نہ ہوتا تو ناپسندیدگی کا اثر بھی چہرہ سے ہویدا ہوجاتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک صاحبزادی کا نام عاصیہ (نافرمان) تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو بدل کر جمیلہ (خوبصورت) رکھ دیا۔ (مسلم، مشکوٰۃ، ص: ۴۰۷)

سحر، ساحرین، جنات اور شیاطین سے نجات کا مجرب نسخہ

سلسلہ کے تمام حضرات اس مضمون کو بار بار پڑھ کر حرزِ جان بنالیں اور پورا پورا استفادہ کریں۔

﴿حضرت حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے نہایت قیمتی ملفوظات﴾

﴿جنات کیسے بھاگتے ہیں؟﴾

فرمایا: سالک طریقت کی پیشانی کے نور سے مومن جنات گرویدہ و دیگر جنات وشیاطین بھاگ جاتے ہیں، یہ نور ازلی ہوتا ہے، ہر پیشانی میں موجود ہوتا ہے، لیکن مستور رہتا ہے، نفس کی کدورت کی جھلی اس نور کو محجوب کئے ہوتی ہے۔

نفس جب کدورت سے پاک ہوتا ہے تو یہ نور منور ہو جاتا ہے، جگمگا اٹھتا ہے، ورنہ کسی اور طرح یہ حجاب نہیں اٹھ سکتا، بھاویں سو سو حیلے کرو، قرآن کریم کی تلاوت کے نور کا جلال جنات وشیاطین کو جلا دیتا ہے، کوئی بھی تاب نہیں لا سکتا۔

﴿قرآن شریف شیطان کو کیسے جلاتا ہے﴾

فرمایا: سالک جب قرآن شریف کی تلاوت میں محو ہوتا ہے قرآن مجید کے نور کے جلال سے ہمزات شیاطین لاغر نحیف اور بے بس ہو کر توبہ توبہ کرنے لگتے ہیں، قرآن کریم کی تلاوت کے نور کا جلال شیطان کو جلا دیتا ہے، تلاوت قرآن، نماز، ذکران تینوں میں ہر مرض سے کلی شفاء ہے، ان تینوں کی کثرت مساوی ہو یہی سلف صالحین کا نسخۂ کیمیا ہے۔

شیطان سے بچنے کا ہتھیار

فرمایا: دیکھئے بیت اللہ، اللہ تعالی کا گھر ہے ابرہہ نے چاہا تھا کہ اس گھر کے اوپر قبضہ جمائے، اللہ تعالی نے ابابیلوں کو مسلط کر دیا، انہوں نے کنکریاں مار مار کر اس کے پورے

لشکر کو کھائے ہوئے بھس کی طرح بنا دیا، بالکل اسی طرح انسان کا دل اللہ تعالی کا گھر ہے، اگر شیطان اس کی طرف قدم بڑھانا چاہے تو آپ لا الہ الا اللہ کی ضربوں سے اور اللہ اللہ کے الفاظ سے اس کے اوپر پتھروں کی بوچھاڑ کیجئے، پھر دیکھئے کہ اللہ آپ کو شیطان سے محفوظ فرمالیں گے اور قرآن پاک میں اللہ تبارک وتعالی نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُمْ مُبْصِرُونَ۔ (سورہ الاعراف، آیت: 201)

ترجمہ: بلا شبہ جنہوں نے تقوی اختیار کیا جب شیطان کی طرف سے کوئی خیال بھی ان کو چھوتا ہے تو وہ اللہ کا ذکر کر لیتے ہیں تو ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔



(حضرت مولانا) محمد علاء الدین صاحب قاسمی مدظلہ العالی

خلیفہ و مجاز بیعت

حبیب الامت حضرت مولانا ڈاکٹر حکیم ادریس حبان رحیمی رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ و مجاز: حضرت حاذق الامت مولانا ذکی الدین صاحب پرنامبٹیؒ

خلیفہ و مجاز: مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب جلالآبادیؒ

خلیفہ و مجاز: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

شجرہ : سلسلۂ چشتیہ منظومہ: حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی

سلاسل اربعہ کے مشائخ کا مشاہدہ اور تجربہ ہے کہ مشائخ کا شجرہ انفرادی اور اجتماعی طور پر پڑھنے سے مصائب دور، مسائل حل اور مقاصد پورے ہوتے ہیں، اسلئے با جازت شیخ اس کا اہتمام کرنا چاہئے۔

حمد ہے سب تیری ذات کبریا کیواسطے
اوردر و د و نعت ختم الانبیا ءکیو ا سطے
اور سب اصحاب وآل مجتبیٰ کے واسطے
رحم کر مجھ پر الٰہی اولیاء کے واسطے
بالخصوص ان اولیائے باصفاکے واسطے
مولوی اشرف علی شمس الہدیٰ کے واسطے
حاجی امداداللہ ذوالعطاکے واسطے
حاجی عبدالرحیم اہل غزاکے واسطے
شیخ عبدالباری شہ ِبے ریا کے واسطے
شاہ عبدالہادی پیر ہدے کے واسطے

شاہ عضدالدین عزیز دوسرا کے واسطے
شہ محمد اور محمد ی اتقیا کے واسطے
شہ محب اللہ شیخ باصفا کے واسطے
بوسعید اسد اہل ورا کے واسطے
نشہ نظام الدین بلخی مقتدا کے واسطے
شہ جلال الدین جلیل اصفیا کیواسطے
عبد قدوس شہ صدق وصفا کیواسطے
اے خدا شیخ محمد راہنما کے واسطے
شیخ احمد عارفِ صاحب عطاء کیواسطے
احمد عبدالحق شہ ملکِ بقا کیواسطے
شہ جلال الدین کبیراولیاء کے واسطے
شیخ شمس الدین ترک باضیا کیواسطے
شیخ علاالدین صابر بارضا کیواسطے
شہ فریدالدین شکرگنج بقاکے واسطے
خواجہ قطب الدین مقتول دلاکیواسطے
شہ معین الدین حبیب کبریا ء کے واسطے
خواجہ عثمان با شرم وحیاکے واسطے
خواجۂ مودود چشتی پارساکے واسطے
شاہ بویوسف شہ شاہ وگدا کیواسطے
بومحمد محترم شاہِ وِلا کے واسطے
احمد ابدال چشتی باسخا کے وا سطے
شیخ ابو اسحاق شامی خوش اداکیواسطے

خواجہ ممشاد علوی بوالعلا کیواسطے
بوہبیرہ شاہ بصری پیشوا کیواسطے
شیخ حذیفہ مرعشی شاہِ صفا کیواسطے
شیخ ابراہیم ادہم بادشاہ کیواسطے
شیخ حسن بصری امام اولیا ء کیواسطے
ہا دی عالم علی شیر خدا کیواسطے
سرورعالم محمد مصطفےٰ کے واسطے
یاالٰہی اپنی ذاتِ کبریا کے واسطے
یاحق اپنے عاشقان باوفا کیو اسطے
یارب اپنے رحم واحسان وعطا کیواسطے
کررہا ئی کا سبب اس مبتلا کیو اسطے
کون ہے تیرے سوا مجھ بے نوا کیواسطے
ہے عبادت کا سہا را عابدو ں کیو اسطے
ہے عصا ئے آہ مجھ بے دست وپا کیواسطے
بخش وہ نعمت جو کام آوے سدا کیواسطے
اپنے لطف ورحمت بے انتہا کیواسطے



معمولات

صبح و شام

معمولات اور ان کی تعداد کم ہوں یا زیادہ مشائخ اپنے مریدین ومتوسلین کو ان کے حسب احوال ارشاد فرماتے ہیں۔ راقم السطور مندرجہ ذیل طریقے پر سالکین طریقت و عاشقان حق کی رہنمائی کا ادنی فریضہ انجام دیتا ہے۔

﴿طبقۂ اولیٰ﴾

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حضرت حکیم الامتؒ کے بعض ذاتی معمولات یہ تھے۔ تہجد کے بعد آپ اس طرح معمولات کو شروع فرماتے:

أَللّٰهُمَّ طَهِّرْ قَلْبِي عَنْ غَيْرِكَ وَنَوِّرْ قَلْبِي بِنُوْرِ مَعْرِفَتِكَ ———— ۳، بار

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّ اَتُوْبُ اِلَيْهِ ———— ۱۰۰ بار

درود شریف۔ ———— ۱۰۰ بار

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ ———— ۲۰۰ بار

اِلَّا اللّٰهُ۔ ———— ۴۰۰ بار

اَللّٰهُ اللّٰهُ۔ ———— ۶۰۰ بار

اَللّٰهُ۔ ———— ۱۰۰ بار

تلاوت کلام پاک کم از کم ایک پارہ مع سورۂ یٰسین شریف۔

مناجات مقبول حضرت حکیم الامتؒ۔

ایک منزل۔



شام کے معمولات

استغفار۔ ______ ۱۰۰،بار

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ۔ ______ ۱۰۰،بار

درود شریف۔ ______ ۱۰۰،بار

سورۂ اخلاص، سورۂ فلق، سورۂ ناس، تین تین مرتبہ۔

طبقۂ ثانیہ صبح کے معمولات

اَللّٰھُمَّ طَھِّرْ قَلْبِیْ عَنْ غَیْرِكَ وَنَوِّرْ قَلْبِیْ بِنُوْرِ مَعْرِفَتِكَ ______ ۳،بار

اَسْتَغْفِرُ اللہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ ______ ۱۰۰،بار

درود شریف۔ ______ ۱۰۰،بار

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ۔ ______ ۱۰۰،بار

اَللہُ اللہ۔ ______ ۱۰۰،بار

اللہ۔ ______ ۱۰۰،بار

کم از کم سورۂ یسین شریف کی تلاوت، زیادہ سے زیادہ تلاوت کی کوئی حد نہیں۔

مناجات مقبول حکیم الامتؒ ہر روز۔ ______ ایک منزل

سورۂ اخلاص، سورۂ فلق، سورۂ ناس، تین تین مرتبہ۔

شام کے معمولات

استغفار۔ ______ ۱۰۰،بار

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ۔ ______ ۱۰۰،بار

درود شریف۔ ______ ۱۰۰،بار

سورۂ اخلاص، سورۂ فلق، سورۂ ناس، تین تین مرتبہ۔

نصیحت

جو شخص ان معمولات کو بلا ناغہ پابندی سے پڑھے اور ساتھ ساتھ نماز پنجگانہ کا بھی اہتمام کرے وہ دنیا میں جہاں بھی اور جس ماحول میں بھی رہے گا ان شاء اللہ بتدریج اسے دین پر ضرور استقامت کی دولت حاصل ہوگی اور تمام بلاؤں، بیماریوں، حوادث، سحر، نظر بد، جن وشیاطین کے حملوں سے محفوظ رہے گا، اگر قسمت کا چھوٹا اور بدنصیب ہے تو روز بروز اس کا نصیب اچھا ہوتا چلا جائے گا، جسے تجربہ کرنا اور آزمانا ہو آزما کر دیکھ لے۔

(حضرت مولانا) **محمد علاء الدین صاحب** قاسمی مدظلہ العالی

خانقاہ اشرفیہ و مکتبہ رحمت عالم رحمانی چوک پالی گھنشیام پور ضلع دربھنگہ (بہار)

۲۹ ذی قعدہ ۱۴۴۳ھ بروز جمعرات

بمطابق ۳۰ جون ۲۰۲۲ء

{مؤلف کا تعارف}

نام : محمد علاء الدین قاسمی ابن الحاج حافظ حبیب اللہ صاحب۔

ولادت و پیدائش : مقام و پوسٹ: جھگڑوا، تھانہ جمال پور، وایا گھنشیام پور، ضلع دربھنگہ بہار (انڈیا)

ابتدائی تعلیم :

ناظرہ، وحفظ، وقرأت قرآن شریف: مدرسہ عربیہ حسینیہ چلہ امروہہ ضلع مرادآباد یوپی۔

عربی اول : جامعہ قاسمیہ شاہی مرادآباد (یوپی)

عربی دوم، سوم : مدرسہ جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ (یوپی)

اعلیٰ تعلیم : عربی چہارم تا دورۂ حدیث دارالعلوم دیوبند (یوپی)

فراغت : ۱۹۹۱ء

بعد فراغت مصروفیات

درس وتدریس : درجہ سوم تا ہفتم: مدرسہ حسینیہ شریوردھن کوکن مہاراشٹر۔

حرمین شریفین کی زیارت اور عملی سرگرمیاں:

فریضۂ امامت اور جدہ اردو نیوز کے لئے کالم نگاری۔

موجودہ مصروفیات :

خانقاہ اشرفیہ پالی کی ذمہ داری اور تصنیف وتالیف کے مشاغل۔



مؤلف کی مشہور کتابیں

۱۔ رمضان المبارک سے محرم الحرام تک۔

۲۔ اپنے عقائد کا جائزہ لیجئے۔

۳۔ نکاح اور طلاق۔

۴۔ حج گائیڈ۔

۵۔ چالیس حدیثیں۔

۶۔ جادوٹونا، اور کہانت کا حکم۔

۷۔ دس عظیم صحابہ کرامؓ کے ایمان افروز واقعات۔

۸۔ وعظ وادب کا خزانہ۔

۹۔ عظمت قرآن۔

۱۰۔ مسائل حاضرہ۔

۱۱۔ قربانی کے ضروری مسائل۔

۱۲۔ اصلاح کا تیر بہدف نسخہ۔

۱۳۔ چراغ اصلاح۔

۱۴۔ تکبر ایک وبال ہے۔

۱۵۔ تنقید ایک بُری عادت ہے۔

۱۶۔ جنت کے حسین محلات اور لذیذ ونفیس نعمتیں۔

۱۷۔ تراویح کا پیسہ لینا جائز نہیں۔

۱۸۔ رمضان المبارک کو نفع بخش اور مقبول بنانے کے صحیح طریقے۔

۱۹۔ قیامت کی آخری علامتیں۔

۲۰ تصوف کی اہمیت وضرورت۔

۲۱۔غیبت ایک گندہ عمل ہے۔

۲۲ ۔اصلاح کے اہم نسخے۔

۲۴۔اخلاص اور اخلاق۔

۲۵۔اصلاحی واقعات جلد، اوّل۔

۲۶۔اصلاحی واقعات جلد دوم۔

۲۷۔اصلاحی واقعات جلد سوم۔

۲۸۔اصلاحی واقعات جلد چہارم۔

۲۹۔اصلاح کا مبارک سفر۔

۳۰۔قربانی کی شرعی حیثیت۔

۳۱۔پنج وقتہ نماز اور ان کے ضروری مسائل۔

۳۲۔محرم الحرام تاریخ وشریعت کے آئینے میں۔

۳۳۔عہدہ ومنصب کا حریص، رسوائی اور وبال کا طالب ہے۔

۳۴۔روح اور نفس کے اوصاف احوال اور انجام۔

۳۵۔اتحاد واتفاق کے بغیر آپ کی جماعت کا فیل ہونا طے ہے۔

۳۶۔علماء کرام اصلاح کی روحانی چھاؤں میں۔

۳۷۔مزارات اولیاء کرامؒ اور ان کے فیوض وبرکات برحق ہیں۔

۳۸۔دعاء کا صحیح طریقہ۔

۳۹۔رجب المرجب اور شعبان المعظم پر ایک تحقیقی مطالعہ۔

۴۰۔عورت کا حجاب خدا کا حکم ہے۔

۴۱۔اعتکاف کے فضائل ومسائل۔

۴۲۔رمضان المبارک کیسے گذاریں۔

۴۳۔اسلام میں حقوق ومعاملات کی نزاکت واہمیت۔

۴۴۔عذاب قبراور احوال برزخ ودوزخ۔

۴۵۔اصلاح کے قیمتی موتی۔

۴۶۔اصلاح وتزکیہ کے پر اثر ارشادات۔

۴۷۔بچے اور بچیوں کا تعلیمی وتربیتی نصاب۔

۴۸۔گناہوں سے نجات جلد سے جلد پالیجئے۔

۴۹۔زبان کے بڑے بڑے گناہ۔

۵۰۔عورتوں کی اصلاح کی روشنی۔

۵۱۔اولاد کی تربیت کے اسلامی اصول۔



﴿بیعت سے آدمی پاک صاف ہوجاتا ہے﴾

حضرت خواجہ صاحبؒ فرماتے ہیں میرا بیعت ہونے کو بہت جی چاہتا تھا، مگر ہمت نہیں ہوتی تھی کیونکہ مجھے یہ فکر دامن گیر تھی کہ اگر بیعت ہونے کے بعد بھی گناہ ہوتے رہے تو بیعت ہونے سے کیا فائدہ؟ اس لئے پہلے حضرت میرے ناپاک ہاتھوں کو اس قابل کردیں کہ حضور کے پاک ہاتھوں میں دے سکوں، احقر کی عرض مذکور پر تمثیلاً فرمایا کہ: ایک دریا تھا اس کے پاس ایک ناپاک اور میلا کچیلا آدمی آیا اس دریا نے کہا کہ آ تو میرے پاس آجا۔ اس نے کہا کہ میری بھلا کیا مجال ہے میں تیرے پاس آسکوں، تو بالکل صاف وشفاف، میں بالکل نجس، پلید، ناپاک، دریا نے جواب دیا تو تو اس حالت میں میرے پاس آنے نہیں پاتا اور بغیر میرے پاس آئے اور میرے اندر نہائے پاک ہو نہیں سکتا تو بس ہمیشہ کیلئے دوری ہی رہی، ارے بھائی پاک ہونے کی تدبیر بھی تو یہی ہے کہ بس آنکھیں بند کر کے بلا پس وپیش میرے اندر کود پڑ بس، پھر فوراً ہی میرے اندر سے ایک ایسی موج اٹھے گی جو تیرے سر پر ہو کر گذر جائے گی اور آن کی آن میں تیری ساری نجاستوں کو دھو کر تجھے سر سے پاؤں تک بالکل صاف کردے گی۔ (اشرف السوانح، ج/2، صفحہ/51)

نوٹ

اس مضمون کو طباعت کے وقت بیک فرنٹ پر ڈالیں۔